



عجیب ہے دوستی ہو گئی ہے یہ لڑکی کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔ "ماہانے بیدار ہوتے ہوئے اپنے برابر سوئے زوہار کے سینے پر سے احتیاط سے کتاب اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اسی احتیاط کے ساتھ پائنتی پہ رکھی چادر کھول کر اس پر پھیلا دی۔ اس کی اس عادت کو شدید پسند کرنے کے باوجود وہ اس کی نیند میں خلل نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

"اور اس کی نیند وہ بھی کتنی گئی ہے۔" اس نے ایک سردی آؤ بھرتے ہوئے وال کلاک پر نظر ڈالی جو اس وقت ساڑھے چار بج رہی تھی۔ زوہار کی پچھلے کئی

دنوں کی روٹین اور موجودہ انداز کو دیکھتے ہوئے وہ ابھی ابھی نیند سے بیدار ہونے کے باوجود سمجھ سکتی تھی کہ اسے سوئے ہوئے پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے ہوں گے۔

عجیب سی بات تھی کہ زوہار جو ہمیشہ نیند کی رسیا رہی تھی اب سوتا بھولتی جا رہی تھی۔ ورنہ اس کا معمول تھا کہ رات گیارہ ساڑھے گیارہ بجے بڑے اہتمام سے سونے کی تیاری کر کے بستر پر آئی، کچھ دیر آنکھیں موندے مزے سے لیٹی رہتی اور پھر بے فکری سے سو جاتی۔ نیند بھی ایسی گہری آتی تھی اسے کہ صبح نماز

مکمل ناول



کے لیے جگہ کا دھواں ہو جائے۔ یہاں تک کہ امتحان کے دنوں میں بھی وہ اپنی رو میں سے ایک آدھ گھنٹہ زیادہ نہ جاگ پاتی تھی۔ اس نے اپنے ہر کام کے لیے ایک پانچ میل ہتھار کھا تھا۔ دوسری کتابیں کو پڑھنا، گھر کے کام، فی سہی دیکھنا یا کسی تفریحی کتاب کا مطالعہ، کچھ بھی اس کے مقررہ اوقات کو تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کر پاتا تھا۔ وہ تو اپنی پسندیدہ ترین مصنفہ کی تحریریں بھی پانچ ختم ہو جانے پر اگلے دن کے لیے اٹھا رکھتی تھی۔ لیکن اب تو جیسے عجیب جونی سی ہوتی جا رہی تھی۔ سنی سنی کے سامنے بیٹھتی تو رات گئے تک اٹھنے کا نام نہ لیتی۔ کتاب ہاتھ میں پکڑ کر پستری لٹے لٹے کچھ پڑھنا شروع کرتی تو جب تک الفاظ نظروں کے سامنے گڈنڈ نہ ہونے لگتے، آنکھیں بند ہو جاتیں۔ پھر وہ خود بخود بند نہ ہو جائیں اور ہاتھ میں پکڑی کتاب گرنے لگتی، وہ سونے کے بارے میں سوچتی تک نہیں۔

شروع شروع میں تو ماہا کو اس کے اس نئے معمول نے بے حد پریشان کیا تھا اور وہ رات رات بھر لائٹ جلائے رکھتے پر اس سے لڑی بھی بہت تھی لیکن اب تھک مار کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔

وہ اکثر سوچتی کہ کسی دن موقع ملنے پر کھل کر زوبا سے اس کے مسئلے پر بات کی جائے۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اپنے دل کی بات چھپا چھپا کر رکھنے کی عادی تھی۔ اپنی تقدیر کے اس عجیب و غریب موڑ کی ذمہ دار ایک طرح سے وہ خود ہی تھی۔ جب وقت ہاتھ میں تھا تو کسی قسم کا کوئی قدم نہ اٹھایا اور اب وحشی ہرنیوں کی طرح سارے میں چھلکاتی پھرتی تھی۔ رات کے ان وحشت ناک گھنٹوں کو گزارنے کے بعد وہ اگلا پورا دن اسی طرح "مصروف گزارتی جیسے وہ رات بہت سکون سے سوتی ہو۔ وہی یونہی جاتا اپنے اپنے چلنے والے پتوں اور ان کی بچک بچک چو لری اور چپل کا خیال رکھنا، گھر کے کام نمانا اور پھولی پھولی باتوں پر اونچے نیچے قہقہے لگانا۔ بس راتیں اس پر کسی بھاری گزرتی تھیں اس بات کی واحد گواہی ملتی جو کسی دوسرے پر

اس کی حالت عیاں کرنا تو دور کی بات خود اس سے بھی بات کرتے ڈرتی تھی کہ کہیں اس کی "پا" جسے وہ ہر بات سے بڑھ کر عزیز رکھتی ہے، بھروسہ نہ ہو جائے۔

زوبا! چلو تم جا کر سو جاؤ، ہم بھی سونے جا رہے ہیں۔

"ابھی سے۔ ابھی تو مجھے نیند بھی نہیں آ رہی۔"

جر جیس بھائی کی ہدایت پر اس نے حیرت سے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو آ رہی ہے نا! اور اپنی بھابھی کی حالت دیکھو، بالکل ہی بے حال ہو رہی ہے ویسے بھی تمہیں معلوم ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" کہنے کے ساتھ انھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ نیا بھابھی نے بھی ان کی تقلید کی۔

زوبا چند لمحے تو حیرت سے انہیں میٹر دیکھا اترتے دیکھتی رہی۔ پھر یکدم ہی اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ آج کل یوں بھی وہ بڑی حساس ہو رہی تھی اور جر جیس بھائی کی بے نیازی سننے کی عادت تو اسے بالکل بھی نہیں تھی۔ وہ بچپن سے انہیں اپنے لاڈ اٹھاتے ہوئے دیکھنے کی عادی تھی۔ چنانچہ یہ معمولی سی بے التفاتی بھی اس کی نازک مزاجی کو نہیں لگائی تھی۔ آج کتنے دنوں بعد تو وہ یہاں رہنے آئی تھی اور اس پر بھی بھائی کے روکھے سے رویے نے اسے بری طرح ہرٹ کیا تھا۔

وہ کچھ دیر ستاروں بھرے آسمان پر نظر جمائے بیٹھی رہی پھر خود بھی نیچے جانے کے لیے میٹر دیکھا اترنے لگی۔ جر جیس بھائی کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ یکدم ٹھٹھک گئی۔ اندر سے نیا بھابھی کی آواز آ رہی تھی۔

"آپ اس طرح سے اٹھ کر کیوں آ گئے جر جیس! زوبا کو برا لگا ہو گا۔" وہ کہہ رہی تھیں۔

"بھئی! تمہاری وجہ سے آگیا، تم سے زیادہ دیر بیٹھا ہو نہیں جاتا آج کل۔" ان کا انداز ٹالنے والا تھا۔

"میرا پر اہم تھا تو میں نیچے آ کر سو جاتی، آپ کو تو بیٹھنا چاہیے تھا زوبا کے پاس۔ آپ جانتے تو ہیں وہ یہاں خاص طور پر آپ کی خاطر آئی ہے۔" نیا بھابھی نے زوبا کے دل کی بات کی تھی۔

"نہیں بیٹھ سکتا تھا میں اس کے پاس۔ کیونکہ مجھ میں اسے دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ تم نے دیکھے ہیں اس کی آنکھوں میں آنسو، اور ان کے اندر پچھلی دیر لپی۔ اگر آج میں تھا اس کے پاس بیٹھ جاتا تو وہ اپنے اندر موجود ہر آنسو میرے شانوں پر بہا دیتی۔ بچپن سے عادت ہے اسے اپنا ہر دکھ میرے ساتھ شیئر کرنے کی۔ لیکن آج میں اس کے آنسو شیئر کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا، اگر وہ میرے سامنے روئی تو میری ہدایت کی حد ختم ہو جائے گی، اور اگر ایسا ہوا تو اس کے ساتھ میں نہ جانے کیسا سلوک کر گزروں۔ جب بھی میں ان دونوں کو سامنے رکھوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی محبت بھائی کی محبت سے جیت جائے گی۔ لیکن میں اپنے بھائی کو بھی نہیں کھونا چاہتا تھا! وہ میرا اکلوتا بھائی ہے، میں کیسے اسے چھوڑ سکتا ہوں۔" جر جیس عدالت کے لہجے میں جو بے بسی تھی اسے محسوس کر کے پہلے سے وہی زوبا طارق کے دل کو مزید نہیں لگتی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ میں نے اپنے دل کی ہر بات اپنے دل میں دفن کر لی ہے لیکن جو لوگ اس دل کی ہر دھڑکن میں بستے ہیں، بھلا وہ یہاں ہونے والی شکست و محنت سے کس طرح ناواقف رہ سکتے تھے۔"

وہ جمل قدموں سے وہ خالہ امی کے کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد سے وہ جب بھی مل آتی اسی کمرے میں قیام کرتی تھی۔ وہاں اسے اب بھی ان کے وجود کی خوشبو محسوس ہوتی تھی اور یہ خوشبو ہر بار اسے ماضی کے خوش رنگ دنوں کی یاد دلاتی ہو جانے پر مجبور کر دیتی تھی۔

خالہ امی! آپ مجھے تانی آبی کی شادی کے لیے چنا



بچی کا غراہ ہی کر ضرور دیتے گا۔ سچ بہت سنا ہے مجھے۔ لیکن مکی کو سینا ہی نہیں آتا۔ کہیں سے نہیں لگتا کہ وہ آپ سی سکھڑ خاتون کی بہن ہیں۔"

خالہ امی کی گود میں لیٹے لیٹے اپنی فرمائش نوٹ کروانے کے ساتھ اس نے ماں کے خلاف شکوہ بھی کیا۔

"حمیرا چھوٹی ہونے کی وجہ سے بہت لاڈلی تھی گھر بھر کی۔ اس لیے ہم لوگوں نے اسے کبھی کسی اجنبی میں نہیں ڈالا۔ اسے تو بس وقت کے وقت تیار شدہ چیزیں مل جاتی تھیں استعمال کرنے کو۔ جیسے اب تمہیں مل جاتی ہیں۔"

"آبا! زوبا طارق صاحبہ جلوہ افروز ہیں ہمارے اس غریب خانے پر، جب ہی تو میں کہوں یہ گھر کی فضاؤں میں غیبتوں کی بدبو کیوں پھیلی ہوئی ہے۔" وہ شاید باہر کھڑے کھڑے ہی خالہ بھانجی کی گفتگو سن چکا تھا۔ لہذا اب اسے چڑا رہا تھا۔ لیکن الفاظ کے برخلاف اس کی آنکھوں اور لہجے سے شکست کی پھوٹ رہی تھی۔

"غیبتیں کرنے کی عادت خود تمہیں ہی ہوگی مجھ پر ایسا گھٹیا الزام لگانے کی جرأت ہرگز مت کرنا۔" اس کی بات پر تب ہی تو گئی تھی چنانچہ جھٹ خالہ امی کی گود سے سر نکال کر لڑنے کھڑی ہو گئی۔

"الزام لگا رہا ہوں، یہ خوب کہی تم نے اور ابھی ابھی جو تم میری پیاری آنی کی برائیاں کر رہی تھیں، وہ کچھ نہیں۔ اسی کو تو کہتے ہیں چوری اور اس پر سے سینہ زوری۔" اسے زوبا کو چھیڑنے میں ہمیشہ ہی بہت لطف آتا کہ اس کا غصے سے سرخ پڑنا چہرہ کچھ اور حسین ہو جاتا تھا۔

"تمہاری آنی ہیں تو میری بھی می می ہیں۔ میرا جہول چاہے میں انہیں کہہ سکتی ہوں۔" اس کی بات پر اندر ہی اندر شرمندہ ہونے کے باوجود وہ نہایت ڈھٹالی سے بول رہی تھی۔

"ارے تم تو بڑی خطرناک لڑکی ہو۔ یعنی کل کو میری ماں کی برائیاں کرنے کھڑی ہو جاؤ گی اور میں

بولوں گا تو صاف کہہ دو گی کہ اپنی خالہ امی کی برائی کر رہی ہوں تم کون ہوتے ہو روکنے والے۔ اس کے مخصوص انداز کی نقل اتارتے اس نے کچھ اس طرح سے یہ جملہ ادا کیا تھا کہ خالہ امی بھی مسکرا دیں۔

”تم کچھ رہی ہیں آپ خالہ امی! خواہوا ہی میرے منہ لگے جا رہا ہے۔“ اس نے فوراً ہی اپنی سب سے بڑی جالی کو منہ لگے لیے پکارا۔

”خیر ارادہ ایسے لہو تم نے میری بیٹی کو تنگ کیا ہو تو۔ یہ تو بہت ہی نیک اور محسوس ہے جس گھر جائے گی وہاں خوشیاں رقص کرنے لگیں گی۔ اس کے دم سے ہی تو میرے گھر میں رونق ہو جاتی ہے کچھ دن کے لیے ورنہ تم دونوں بھائی تو گھر میں نکلتے ہی نہیں ہو۔“

”تو آپ نے آئیں نا اس رونق کو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں۔“ اس کی ذمہ داری انداز میں کی گئی سرگوشی خالہ امی نے تو شاید نہیں سنی لیکن زہرا کے کانوں کی نو میں تک سرخ پڑ گئیں۔ لیکن یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس نے کچھ نہیں سنا وہ بے نیازی سے قریب رکھے ایک رسلے کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔ وہ خود بھی اس کی طرف سے رخ موڑ کر اپنے چوتے آنے لگے البتہ با آواز بلند گنگناہٹ جاری تھی۔

”تم دونوں میں سے کون تھی ہے جو اس وقت مجھ غریب کو ایک کپ چائے پلا کر میری دعائیں سمیٹے گا۔“ ایسے عبد اللہ نے چہرے پر نہانے بھر کی مسکینیت طاری کرتے ہوئے سوال کیا۔ وہ آج یونہی شہر سے سیدھا نہیں چلا آیا تھا۔ اصل میں آج خالہ امی اور میرا اگلی کا شاپنگ کے لیے جانے کا ارادہ تھا اس لیے خالہ امی بھی ہی دونوں بھائیوں کو واپسی میں ان کے قلیت پر کچھ کی تاکید کر چکی تھیں۔ وہ ہر کا کھانا تو تیار تھا اس لیے ہالے ہاں کسی دشواری کے اس کے حضور پیش کر دیا لیکن مسئلہ اب ایک کپ چائے بنانے کا تھا جس کے لیے وہ نہایت عاجزی سے سوال کر رہا

تھا۔

”سوری ایسے بھیا! میں تو اس وقت کافی مصروف ہوں ورنہ بتا دیتی۔“ مختصر سے ناخوشوں پر لگی ننگی پالش صاف کرتی ہالہ نے ہمانہ بناتے ہوئے معذرت چاہی۔

”تم تو فارغ ہو زہرا! تم نہاؤ۔“ ایسے نے آرام سے دونوں پاؤں صوفے پر رکھے سامنے بیٹھی زہرا کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

”میں! یعنی کہ زہرا طارق! اور چائے بناؤں امپا سبل! اتنی فضول چیز کے پیچھے اپنا قیمتی وقت میں ہرگز ضائع نہیں کر سکتی۔“ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی وہ اسے اپنے وقت کے قیمتی ہونے کا احساس دلانے لگی۔

”کیا چائے اور فضول چیز؟“ وہ تو جیسے تھکادی گیا۔ یہ دیکھو کتنے بڑے بڑے لوگ چائے کی قدر کرتے تھے۔ ونسنن جہل کو کون نہیں جانتا! وہ کہتا کیا ہے چائے کے ایک کپ سے بہتر بھی کوئی چیز ہے۔

اور یہ گریٹ گرائنڈ مانیول، جن کی عمر ۱۰۸ سال تھی کہتے ہیں ”چائے کا ایک کپ ہی زندگی ہے۔“

”جہاں چائے ہے وہاں امیدیں ہیں۔“ یہ میں نہیں کہہ رہا سر آر تھر پیرو کا کہنا ہے۔ ”وہ خواتین کا ایک رسالہ ہاتھ میں پکڑے جن جن کر اس میں سے اپنے مطلب کی باتیں سنا رہا تھا۔

”ونسنن جہل اور آر تھر پیرو کے اقوال سے مجھے کیا لینا دینا۔ اگر علامہ اقبال اور قائد اعظم میں سے کسی نے کہا ہو تا تو میں غور بھی کرتی ان باتوں پر۔“ اس کے دلائل کو بنا کسی خاطر میں لائے وہ نہایت اطمینان سے بولی۔

”کام کام اور صرف کام۔ یہ بھی تو قائد اعظم نے فرمایا ہے لیکن سارا سارا دن فارغ رہتے ہوئے تو ہمیں ان کا یہ ارشاد یاد نہیں آتا۔“ اس سے بحث کرنا فضول تھا لیکن پھر بھی وہ الجھ گیا۔

”میری قاری سے دروازے کی طرف دوڑی۔ اگلے ہی لمحہ ان کا بازو تھا اسے اندر آ رہی تھی۔ چہرے پر نہانے کی خوشی تھی۔ ایسی جنونی محبت تھی اسے ان سے کہ ہر روز بھی میٹیں جوش و خروش میں کی نہیں آتی تھیں۔ وہ ہر بار یوں ان سے ملتی تھی کہ نہ جانے کتنے سال کی جدائی کے بعد ملاقات ہوئی ہو۔

”بھائی! آپ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آجائیں، میں میں کھانا لاتی ہوں۔“ جرجیس عبد اللہ کی تڑپ کر پستہ مستعد سی زہرا کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو ابھی چند لمحے پہلے صرف ایک کپ چائے بنانے کے لیے اتنی جھجھکتے ہوئی رہی تھی۔

”کھانا تو میں نہیں کھاؤں گا چاند! ہاسٹل میں بیٹوں کے ساتھ ہی بیچ کر لیا تھا آج۔“ چہرے پر نرم مسکراہٹ لیے وہ اس سے کہہ رہے تھے۔

”اب یہاں آنا تھا تو کیوں کھا کر آئے میں نے اس طور پر آج آپ کے لیے شاہی کھڑے بنائے تھے اور ابھی تک آپ کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا۔“ وہ چہرے پر خفگی سجائے روٹھے روٹھے لہجے میں بولی۔

”چچا ایسا ہے کہ تم میرے لیے ایک کپ چائے بنا کر لایا۔“ ایسی سوئیٹ ڈش میں چائے کے ساتھ ساتھ کڑواں گا اور تم میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتا۔“

جرجیس عبد اللہ نے درمیانی راہ نکال کر اس کی خفگی کو کش کی۔

”جرجیس عبد اللہ نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ اس کی طرف وہ اس کی نظروں سے قطعی انجان مکمل جرجیس عبد اللہ کی طرف متوجہ تھی جواب اٹھانے کے ساتھ پچن کی طرف جا رہے تھے۔

اب اتنا نیا بھی نہیں جو آپ یوں حیران پریشان

بیٹھے ہیں۔“ اتنی دیر سے خاموشی سے نیل پالش ناخوشوں پر لگاتی ہالہ نے اسے ٹوکا۔

”یہ لڑکی کبھی کبھی مجھے اپنے سیکے بھائی سے جھلس ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔“ وہ جھنجھلا رہا۔

”کوئی فائدہ نہیں دل جانے سے بلکہ شکر کریں کہ چائے کی کچھ امید بن گئی ہے اب یقیناً آپ کو بھی ایک کپ عنایت کر دی دیا جائے گا۔“ اس کے تاثرات کے برعکس ہالہ کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

”ہو نہ! میں کوئی طفلہ ہوں جو دو سروں کے ذریعے فائدہ حاصل کروں۔“ ہانگ کی چابی اٹھائے وہ غصے میں شفق تا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔ جبکہ ہالہ سمجھ میں نہ آنے والے انداز میں شانے اچکا کر رہ گئی۔

دو حیالی رشتے بس ایک دھندلی سے شبیہ کی صورت زہرا کی یادداشت میں باقی تھے۔

اس کے ذہن میں جتنے واقعات زندہ تھے وہ نہایت ناخوشگوار تھے، کبھی ممی پر چینی چلاتی دادی کی شکل ذہن کے پردے پر ابھرتی تو کبھی آنے بہانے ممی کی تذلیل پر تلی مائی اماں کا خشونت بھرا چہرہ سامنے آ جاتا۔ پچھو بھی کم نہیں تھیں جب بھی میکے کا چکر لگتا تھا میں کا دل بہو سے مزید خراب کر جاتیں۔ دادی جو یوں کبھی ممی سے خوش نہ رہتی تھیں، ان کے ہر چکر کے بعد مزید ناقابل برداشت ہو جاتیں۔ لیکن حیرت تو اسے ممی کی برداشت پر ہوتی تھی جو ہر برا رویہ بہت ضبط سے برداشت کر لیتیں۔ ڈیڈی کی گھر میں آمد کے ساتھ ہی شکایتوں کا ایک پورا پنڈورا بلس ہوتا تھا جو دادی ممی کے خلاف کھول کر بیٹھ جاتی تھیں۔ جبکہ ممی کے پاس ان تمام نفرت انگیز رویوں کا صرف ایک ہی جواب تھا۔ ”خاموشی“

”آخر ممی نے ایسا کون سا قصور کیا ہے جو یہ لوگ ان میں بھڑکنے پر تیار نہیں ہوتے گور ممی کی کوئی کمزوری ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی ہے کہ ممی اس سب پر احتجاج تک نہیں کرتیں۔“ گھر کے ماحول میں یہی

نکایت ان لوگوں کے پیچھے ہٹی تھوڑا سا آواز

تھا۔ اس کو کمرچھوڑ جانے اور خودکشی کر لینے کی

چپت کر دیا تھا۔ احساسِ ذلت کی وجہ سے وہ
 اوپر نہ اٹھتا پارہی تھی۔ اتنے دھیر سارے لوگوں

اشرف بک ایچیفی
مہرمان نبیوالرحمۃ

فہمک ایجفی

خالد ای دو واحد ہستی تھیں جنہوں نے حمیرا کے
ناکرہ جرم کو معاف کرنے میں بالکل دیر نہیں لگائی۔
بلکہ وہ تو حمیرا کی زبان سے سسرال میں ہونے والے
عارف سلوک کا سرسری سا ذکر سن کر ہی رو پڑی
تھیں۔ لیکن جس طرح اس نے اپنی ذات کو مناکروہاں
دن گزارے تھے اس پر وہ بھی کبھی داد دینے لگتیں۔
خالی ہاتھ خالی جیب کراچی آنے والے بن بنوئی کو
یہاں لیڈ جسٹ کروانے میں ان کے شوہر کا بہت ہاتھ
تھا۔ ابتدائی چند سال مشکل اور تنگ ہونے کے باوجود
بہر حال خوش اسلوبی سے کٹ گئے طارق حمید کو
عبداللہ صاحب نے ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ کی جاب
دلوادی جبکہ حمیرا نے ایک اچھی ساکھ کا پرائیوٹ
اسکول جوائن کر لیا۔ یوں انہیں یکے میں ایک ڈیڑھ
مہینے سے زیادہ کا عرصہ نہ رہنا پڑا۔ شروع شروع میں
ایک فلیٹ کرائے پر لے کر رہنے لگے پھر تھوڑی رقم
جمع ہونے کے بعد ایک اچھی سی اسکیم میں اپنا ذاتی
فلیٹ خرید لیا۔ زندگی میں سب کچھ بہت اچھا تھا
سوائے ان چند کبھی کبھار کے جملوں کے جو لڑکپن کی
حدود کراس کرتی اس چھوٹی سی لڑکی زہبا طارق کے اندر
طوفان ہچا کر بیٹے تھے۔

”تم اور ماہا تیار رہنا شام کو ہمیں باہر گھومنے چلیں
گے“ اس کو بھی میں اپنے ساتھ لے آؤں گا۔“
زہبا نے صبح آنکھ کھلتے ہی جرجیس عبداللہ کو فون
کر کے اسے دوش کیا تھا۔ آج ان کا برتھ ڈے تھا۔ اس
کی طرف سے دی جانے والی مبارکباد کو قبول کرتے
ہوئے انہوں نے پروگرام بھی ترتیب دے دیا تھا۔
”لیکن بھائی! شام میں تو مجھے پڑھنا ہے۔ کل میرا
ٹیسٹ ہے“ بلوچوان سے بے تحاشا محبت کے وہ اب
ان سے کھڑے لگی تھی۔

”چند گھنٹے باہر گزار لینے سے تمہارا کوئی اتنا شدید

نقصان نہیں ہو جائے گا۔ جو کچھ یاد کرنا ہے شام سے
پہلے یاد کر لو۔ اگر کچھ وہ جانے تو رات دیر تک بیٹھ کر
تیار کر لیتا۔ کمال ہے بھائی کی زندگی کا اتنا اہم ہونا ہے
اور بن صاحب کو بہانے سوچ رہے ہیں۔“ وہ اس کی
کسی معذرت کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں
تھے۔ وہ اس کے کھینچے کھینچے انداز کو محسوس بھی کر رہے
تھے اور وجہ بھی سمجھتے تھے۔

”میری بالکل بھی تیاری نہیں ہے میں فیل
ہو جاؤں گی۔“ دوسری طرف وہ بھائی دے رہی تھی۔
”تو ہو جاؤ فیل۔ ویسے بھی ایسے نالائق اسٹوڈنٹ کو
جو بالکل عین وقت پر رٹنے لگا کر ٹیسٹ دے فیل ہی
ہو جاتا چاہیے۔“ ان کے فیصلے میں ترمیم کی کوئی
گنجائش نہیں تھی چنانچہ تھک ہار کر اس نے ہاتھ ملانے
لی۔

شام کو دونوں بھینس ان لوگوں کی آمد سے پہلے تیار
تھیں۔ ماہا کی فرمائش پر ان لوگوں نے ہل پارک کا رخ
کیا تھا۔ وہاں اس مقام پر کھڑے ہو کر جہاں سے
سارے شہر کی روشتیاں دکھائی دیتی تھیں اور گھاس
کے ایک قطعے پر بیٹھ کر کیک کاٹنے تک زہبا پر ایک
عجیب سی بے کلی طاری رہی۔ جرجیس سب دیکھ اور
محسوس کر رہے تھے لیکن پھر بھی نارمل طریقے سے
اسے ٹریٹ کرنے کی کوشش میں تھے۔

”کیا خیال ہے پلے لینڈ چلیں“ جھولا جھولگی؟“
انہوں نے اچانک پوچھا۔

”نہیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا ویسے بھی اب میں
کوئی بچی نہیں رہی۔“ اس نے بڑے بیزار سے انداز
میں جواب دیا۔

”جرجیس بھائی! مجھے جھولا جھولنا ہے۔“ گیارہ
سالہ ماہا پچھل گئی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ چلو اسیس! تم بھی ماہا کے
ساتھ چلے جاؤ میں یہاں زہبا کے ساتھ بیٹھا ہوں۔“
انہوں نے کہا۔

”یہ مجھ سے پورے دو سال آٹھ مہینے چھوٹی ہو کر

بڑی ہونے کی دعوے دار ہیں رہی ہے اور آپ مجھے
بچوں والے کلم کے لیے بھیج رہے ہیں۔“ ننھے ننھے
کانچ میں آنے والے اسیس کا منہ پھول گیا۔

”جھولا جھولنے کے لیے کسی مخصوص عمر کی قید
نہیں۔ انسان ہر عمر میں جھول سکتا ہے۔ اگر تمہارا دل
چاہے تو تم بیٹھ جانا ورنہ ماہا کو لے جاؤ۔“ آخر کال تم اس
کے بڑے بھائی ہو۔“ انہوں نے اسے جوش دلایا تو وہ
سر ہلاتا ماہا کی انگلی تھام کر جھولوں والے حصے کی طرف
پہنچ گیا جبکہ انہوں نے اپنا رخ زہبا کی طرف موڑ لیا۔

”یہ چند مہینوں میں آپ کچھ زیادہ بڑی نہیں ہو گئی
ہیں؟“ ان کے قدرے ٹھہرے ٹھہرے بولنے پر اس نے
اپنی توجہ سامنے لگے درختوں کی طرف مبذول کر دی۔

”تمہیں واسلڈ لائف پر تحقیق کے لیے یہاں
نہیں لایا گیا ہے۔“ اس کی توجہ کا مرکز بھانپ کر وہ
جھنجھلائے۔

”تو اب یہاں بیٹھ کر میں اور کیا کروں؟“ وہ
نہایت معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

”وہی جو اب تک کرتی رہی ہو۔ مجھ سے
اتسکویم کی فرمائش کرو یا یہ جو بھنے والا کھڑا ہے اس
کے سارے بچے میری جیب خالی کروا کر خرید لو۔ جو
تمہارا دل چاہے وہ کرو۔“

ان کی بات پر اس نے بس ایک بار نظر اٹھا کر ان
کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ اپنے پہلے
والے مشغلے میں مصروف ہو گئی۔ لیکن اس ایک
نگاہ میں جو شکوہ اور درد تھا اسے جرجیس عبداللہ نے
پوری طرح محسوس کیا تھا۔

”یہ جو لوگ ہوتے ہیں نام نہیں بس باتیں بنانے
سے مطلب ہوتا ہے۔ چاہے ان کی باتیں دوسرے
کے دل کو زخم زخم کر دیں یہ باز نہیں آتے۔ لیکن اگر
ہمیں اس دنیا میں رہنا ہے تو ہمیں ان کی باتیں ان کے
دیسے برداشت کرنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کرنا
پڑے گا۔ ورنہ زمین تنگ پڑ جاتی ہے تم ایسے حساس
لوگوں کے لیے۔“ اس کے بائیں ہاتھ پر اپنا دایاں ہاتھ
رکھ وہ اسے سمجھا رہے تھے۔

وہ سر جھٹکے چپ چاپ رو رہی تھی۔ آنسو قطرہ
قطرہ اس کے چہرے سے پھسل کر ان کی ہاتھ کی پشت پر
گر رہے تھے۔

”زہبا میری بات سنو گڑیا! میں ہوں نہ تمہارا بھائی“
پھر تمہیں کیا ضرورت ہے لوگوں کی پروا کرنے کی۔
جب ہمارے تمہارے دل میں کوئی بات نہیں تو ادوروں
کے کہنے کا اثر لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی
بچوں کو زیادہ غور و خوض کرنے کی عادت نہیں ہونا
چاہیے۔ دلخ پر زور پڑتا ہے۔“ نہایت سنجیدگی سے
سمجھاتے ہوئے آخر میں انہوں نے ہانکا پھلکا انداز اپنایا
اور اس کے سر پر ہلکی سی چپٹ لگا کر کھڑے ہو گئے۔
”چلو جھولوں کی طرف چلتے ہیں۔“ ان کے اپنی
طرف ہاتھ پڑھانے پر وہ انگلیوں کی پوروں سے آنسو
صاف کرتی ان کا ہاتھ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”زہبا کو میرے اسیس کی دامن بننا ہے حمیرا! یہ بات
میں ابھی سے تمہارے کانوں میں ڈالے دے رہی
ہوں۔“ پشت پر زہبا کی موجودگی سے بے خبر خالد امی
مٹی سے کہہ رہی تھیں۔ زہبا جو مٹی سے کوئی بات کہتے
آتی تھی اپنی جگہ ٹھنک گئی۔

آج اس کا انٹر کار زلٹ نکلا تھا۔ خالد امی مبارکباد
دینے کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے باقاعدہ گلے میں
پھولوں کا بار ڈال کر اور منہ میٹھا کر کے اسے مبارکباد
دی۔ نمبر جو تک کافی اچھے آئے تھے اس لیے زہبا
بھی اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ جرجیس عبداللہ نے بھی
صبح فون کر کے اسے مبارکباد دی تھی۔ وہ کسی دوست
کے پاس حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ پروگرام تو تقریباً دو
تین دن کا تھا لیکن اب زہبا کے رزلٹ کا سن کر انہوں
نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ سر میں لٹچ تک ان کی آمد
پیشہ تھی۔ اپنی اس قدر اہمیت اور جرجیس عبداللہ کی
محبت نے اس کے دل کو فخر سے بھر دیا تھا۔ وہ خوش اور
ملن سی گھر کی صفائی میں مصروف تھی۔ مٹی خود بھی
اس کی کامیابی پر بہت خوش تھی اس لیے صبح سے

انہوں نے خصوصی دشمن کی تیاری کے لیے کچن
سنبھال لیا تھا۔ خالہ اسی بھی وہیں کچن میں ان کے
قریب کھڑی تھیں اور ان کے بار بار منع کرنے کے
باوجود کچن نہ چھوڑ رہی تھیں۔

سارے کے لیے کھیر کاٹنے کا نئے اچانک ہی انہوں
نے اپنے دل کی بات خمیرا کے سامنے کہہ ڈالی۔
زوبہا کی طرف خمیرا بھی ان کی بات سن کر تھکے بھر کے
لے گئے تھے اور پھر صبر سے بولیں۔

”بھئی بچے مکمل طور پر باشعور نہیں ہیں تیار بہتر
ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی بھی فیصلہ ان کی مرضی کے
بغیر نہ کیا جائے ویسے زوبہا آپ کی بی بی ہے اگر
مستقبل میں وہ اس رشتے پر راضی ہوتی تو مجھے بالکل
بھی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”میری بی بی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے، تم دیکھ لینا
اسے کبھی بھی میری اس خواہش پر کوئی اختلاف نہیں
ہوگا۔“ خالہ اسی کے چہرے پر بڑی دل بھری مسکراہٹ
تھی۔

”اور اگر ایسی اس بات کے لیے راضی نہ ہوا
تو۔“ مئی ان کا وحیان دوسرے فریق کی طرف لے
لیں۔

”جیسے زوبہا اپنی خالہ اسی سے محبت کرتی ہے ویسے
ہی ایسی بھی اپنی تلی کا دیوانہ ہے اس کے لیے تو میں
یعین سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر تم اسے گھر والہ بھی رکھنا
چاہو گی تو بے خوشی راضی ہو جائے گی۔“

خالہ اسی نے ایک گھٹکتا ہوا قدم لگایا تھا۔ اور
اس تواریک جھٹکے پر سب گزر جانے کے باوجود بھی
زوبہا کے ذہن میں بالکل تازہ تھی۔

دو پہر کو ان لوگوں نے مل کر کھانا کھایا تھا۔ پورا دن
پیداؤ تھا اور پیکٹا تھا۔ آپس میں خوش گپیاں کرتے
اور قہقہے لگاتے بہت جلد ہی شام ہو گئی تھی۔ زوبہا نے
اپنا ہاتھ سے چائے کا سب لوگوں کو پلائی۔ پھر
خالہ اسی اور خالو جان گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑے
ہوئے۔ جبکہ جرجیس اسے ”ایس اور ماہا کو آؤنگ
کے لیے بارہ تھے۔ خالہ اسی نے نکلنے سے پہلے

زوبہا کے ماتھے پر ایک بار بھرا بوسہ دیا تھا۔ اس آخری
بوسے کا نرم گرم سا احساس اب بھی وہ اپنی چھٹائی
محسوس کرتی تھی۔
کس قدر قیامت کی گھڑی تھی وہ جب جرجیس نے
آنکڑیں پارد میں بیٹھے ہوئے اپنے موبائل پر خمیرا کی
کال وصول کی تھی۔ وہ یکدم ہی پریشان ہوا تھے تھے اور
ان کی پریشانی نے ان تینوں کو بھی ہلادیا تھا۔

پھر نہایت تیز رفتاری سے ہاسپٹل کی طرف گاڑی
دوڑاتے انہوں نے ان لوگوں کو بتایا تھا کہ واپسی میں
خالہ اسی اور خالو جان خریداری کی غرض سے ایک
ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر اتر گئے تھے ”اچانک ہی وہاں ڈاکا
پڑ گیا۔ لاکھوں کا کیش لوٹ کر لے جانے کے ساتھ
ساتھ ڈاکوؤں کی چلائی بے درد گولیوں نے وہاں موجود
گااہوں کو بھی اپنا نشانہ بنالیا تھا۔ خمیرا کی دی گئی اطلاع
کے مطابق وہ لوگ شدید زخمی حالت میں ہاسپٹل میں
تھے۔“

لیکن وہاں پہنچ کر اپنا لوگوں نے جانا کہ دراصل
سب کچھ بہت پہلے ہی ختم ہو گیا تھا، خالو کے سینے اور
خالہ اسی کے پیٹ میں لگنے والی بے درد گولیوں نے ان
کی روجوں کا جسم سے رشتہ موقع پر ہی توڑ دیا تھا۔
پولیس کی کارروائی اور ان کی جیب سے ملنے والے
شناختی کارڈ کی مدد سے گھر کا انڈریس معلوم کر کے وہاں
اطلاع پہنچانے میں چند گھنٹے لگ گئے تھے۔ گھر میں اس
وقت صرف ان کی برسوں پرانی ملازمہ موجود تھی جس
نے فوراً ہی فون کر کے خمیرا کے گھر پر اطلاع دی
تھی۔

جرجیس عبد اللہ جس نے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے
دن رات بے شمار لوگوں کو موت کے منہ میں جاتے
دیکھا تھا اس وقت بالکل ساکت کھڑے تھے۔ ان کے
امی ابو اتنی خاموشی سے چلے گئے تھے انہیں یقین نہیں
آتا تھا۔ کاش قدرت انہیں موقع دیتی ”انہیں ان کا ہنر
آلہ کی مصلحت دیتی تو وہ اپنا سارا اہم اسباب پر
خرچ کر کے ان کی زندگی بچانے کی کوشش کرتے۔
لیکن بھلا اللہ پر کے اہل فیصلوں کو بھی کوئی ٹل سا

ایس کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے خود ان کا ضبط بھی ٹوٹ
سہا تھا اور آنسو ایک سیل رواں کی طرح بہہ نکلے
تھے۔

”دوکیاں کیسے کیسے حربے استعمال کر کے لوگوں کو
اپنا گرویدہ کر لیتی ہیں۔ کبھی میری بیٹیوں کو اس چیز کا
خیال نہیں آتا۔“ وہ ایس کو دودھ کا گلاس دے کر
اس کے کمرے سے نکلی تو ممانی کے طنزیہ انداز نے اس
کے منہ سے مضحکہ منہ کو مزید ڈھاسا دیا۔

ابھی کل ہی تو وہ لوگ خالہ اسی اور خالو جان کے
سوئم سے فارغ ہوئے تھے۔ تین دن تک تو ماہا اور مئی
سمیت اسے خود بھی کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ دیوانوں کی
طرح بار بار ہر کمرے میں جا کر خالہ اسی کو تلاش کرنے
لگی اور پھر تھک ہار کر گھٹنوں میں سر دے کر رونے
پہنچ جاتی۔ ہر لمحہ یہی احساس ہوتا کہ وہ یہیں کہیں اس
پس موجود ہیں۔ کچن میں کھانا بنا رہی ہیں یا اپنے
کمرے میں نماز میں مصروف ہیں۔ لیکن پھر جلد ہی
ذہن پاک حقیقت اس کے ذہن میں جاگ اٹھتی۔ اور
اسے اپنے پہلو میں درد کی لہر سی اٹھتی محسوس
ہوتی۔ ہر شخص ہی اپنی جگہ سخت اپ سیٹ تھا۔

آہوں اور سسکیوں میں ڈوبے یہ تین دن بے انتہا
طویل تھے جو ہر حال گزر رہی گئے۔ سوئم کے بعد تمام
بزرگ واقارب اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے صرف وہ
لوگ اور ماموں کی قہیلی خالہ اسی کے گھر یہ رکے ہوئے
تھے۔ تین دن تک گھر کا نظام کیسے چلا اور کس نے چلایا
کچھ ہوش نہیں تھا لیکن جو تھے دن جب سب لوگوں
کے جانے کے بعد زوبہا نے گھر کی حالت دیکھی تو اسے
دشت سی ہونے لگی۔ خالہ اسی اپنا گھر ہمیشہ نہایت
ماف ستھر اور سلیقے سے سجا کر رکھتی تھیں لیکن اب
وہاں لگتا تھا کہ کوئی شے اپنے ٹھکانے پر نہ ہو۔ کپڑے
اور ادھر بکھرے ہوئے تھے، ایش ٹرے سرکریٹ کے

ٹوٹوں سے بھری ہوئی تھی ”قرنچے بے حد گرد آلود ہو رہا
تھا۔ صرف تین دن میں خالہ اسی کے گھر کا نقشہ ہی بدل
گیا تھا۔ زوبہا سے یہ سب ہوا داشت نہ ہوا اور ماہا کو اپنے
ساتھ لگا کر گھر کی صفائی میں لگ گئی جب تک ہر شے
پہلو والی حالت میں واپس نہ آگئی اسے چین نہ آیا۔
”لیکن کیا چیزوں کو واپس ان کی جگہ پر لانے سے
لوگ بھی واپس آسکتے ہیں؟“

اس کے ذہن میں ابھرتے اس خیال نے اس کی
آنکھوں کو دھندلا دیا تھا اور وہ وہیں ایک صوفے پر بیٹھ
کر رونے لگی تھی۔

جرجیس جو ظہر کی نماز پڑھ کر ابھی گھر میں
داخل ہوئے تھے سیدھے اس کے پاس چلے آئے۔
اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر انہوں نے
اسے تسلی دینے کی ایک خاموش سی کوشش کی تھی
لیکن وہ تو مزید بکھر گئی۔ اس کے آنسوؤں نے ان کا
گرہ بان بھگو ڈالا تھا اور وہ بے بس سے بیٹھے تھے تب
ہی طارق صاحب وہاں آگئے۔

”برکی بات ہے زوبہا بیٹا! اس طرح کرنے سے مرنے
والوں کی روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ رونے سے کوئی
فائدہ نہیں۔ رونا آپ کی خالہ اسی اور خالو جان کے کام
نہیں آئے گا۔ انہیں آپ کے آنسوؤں کی نہیں
دعاؤں کی ضرورت ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کی
معفرت کی دعا مانگو۔ اس طرح رو کر نہ صرف آپ
ان کی روجوں کو تکلیف پہنچا رہی ہیں بلکہ بھائی کو بھی
آپ نے پریشان کر دیا ہے۔ آپ کا تو فرض بنتا ہے کہ
اپنے بھائی کا خیال رکھو، ان کی ضرورتوں کی طرف توجہ
دو۔“ ڈیڈی کے سمجھانے پر اسے خیال آیا تھا کہ ابھی
کسی نے وہ پیر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ ملازمہ کھانا تیار
کر چکی تھی چنانچہ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ
گھڑی ہوئی اور سب کو ڈاکٹنگ روم میں جمع کر کے کسی
نہ کسی طرح کھانے پر آمادہ کر لیا۔ صرف ایس تھا
جس نے ایک دو لقموں سے زیادہ کچھ بھی منہ میں
نہیں ڈالا تھا اور رات کے کھانے پر تو وہ موجود ہی نہیں
تھا۔ اس کے بھوکے ہونے کا احساس کر کے ہی وہ

رات کو دیکھ کا گلاس دینے کی غرض سے اس کے کمرے میں گئی تھی اور ہزار خوشامدوں کے بعد اسے تو حاکم گلاس دیکھنے پر راضی کر پائی تھی۔ اس نے اس خلوص کا سلسلہ اسے مملی کے نشتر کی طرح روح کو کھاتے جس کی صورت میں مل گیا تھا۔

مملی اور ان کی بیٹیاں خود تو کسی کا خیال نہیں رکھتی تھیں اور وہ سرے کے خلوص کو بھی انہیں شک کی نگاہ سے دیکھنے کی عادت تھی یوں بھی اچھوتے کی تین بیٹیوں نے ان کی خیندریں اڑا رکھی تھیں۔ بڑی تانیہ کا رشتہ تو انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کے بدلے میں اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دیا تھا جبکہ باقی دو کے لیے نند کے بیٹوں سے امید لگائے بیٹھی تھیں۔ لیکن نند اور خود اس کے دونوں بیٹوں جرجیس اور ایسیس کا حیرا اور اس کی بچیوں سے بے انتہا لگاؤ ان کے دل میں دوسرے پیدا کر دیتا تھا۔



”میں نے کبھی دیا نہیں کہ مجھے کسی سے نہیں ملنا“ تو بس نہیں ملتا اب اگر تم نے میرے کمرے کا دروازہ ناک کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔“

نوبا کا نفسے سے سرخ ہوتا چہرہ ذرا کی ذرا دروازے کی اوٹ سے نظر آیا تھا اور پھر اس نے دھاڑ کی زور دار آواز کے ساتھ دروازہ دوبارہ سے بند کر دیا تھا۔ اس کے لیے کی گرج“ آنکھوں کی ایک اور دروازے کی دھمک تھیں ہی اتنی زوردار تھیں کہ دروازے کے سامنے کھڑی ماہا نے جہاں بیٹے پر ہاتھ رکھ کر اپنے دل کی دھڑکن قابو کرنے کی کوشش کی وہیں لافٹ میں گھٹنے پھر سے اس کے انتظار میں خوار ہونا ایسیس بھی چلا گیا۔

آج نوبا کی سالگرہ تھی۔ اور وہ اس کی زندگی کے اس اہم ترین دن پر اسے خوش کرنے بڑے اہتمام سے یہاں تک کیا تھا لیکن اس کے تو مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔ کمرے میں اندھیرا کے دروازہ اندر سے ناک کے بیٹھے ہوئی تھی۔ ماہا نے کئی بار دھمک دی

لیکن جواب نہ ارد تھا۔ ادھر ایسیس کو انتظار میں بیٹھے دیکھ کر وہ نہایت سبکی محسوس کر رہی تھی۔ لہذا تھکسا کر چار خانہ انداز اختیار کیا اور دروازے کو بری طرح پیٹ ڈالا۔ لیکن ادھر سے بھی رد عمل اتنی ہی شدت سے ظاہر ہوا تھا۔

”نوبا! پلیز باہر آ جاؤ۔ ایسیس بھائی کب سے تمہارے انتظار میں بیٹھے ہیں کوئی برتھ ڈے پر روش کرنے آئے تو اس کے ساتھ ایسا سلوک تو نہیں کرتے۔“ اس کے انداز سے اندر ہی اندر خائف ہونے کے باوجود ماہا نے اسے باہر نکالنے کی ایک اور کوشش کی۔

”میں نے کوئی انویٹیشن کارڈ نہیں بھیجا تھا انہیں۔ اپنی مرضی سے آئے ہیں جب دل چاہے گا واپس بھی چلے جائیں گے۔“ حد درجہ بے مروتی کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ جیلے نے نہ صرف ماہا کو شرمندہ کیا بلکہ ایسیس کے چہرے پر بھی سرخی دوڑ گئی۔

”سوری ایسیس بھائی!“

”پتہ نہیں آج اسے کیا ہو گیا ہے۔“ شرمساری ماہا ایسیس کے سامنے کھڑی اس کے رویے پر معذرت کر رہی تھی کہ ٹیلی فون کی بیل نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔

”ہیلو! کون؟ جرجیس بھائی۔ السلام علیکم۔ چلیں اچھا ہوا آپ نے فون کر لیا۔ ورنہ وہ آپ کی لاڈلی بہن تو شکمنی بلی بنی ہوئی ہے۔ بات سننے سے پہلے پنجہ مارنے کو تیار ہے۔“

”جی جی اچھا۔ بلاتی ہوں اسے۔ آپ کے فون کا سن کر تو یقیناً مزاج پر خوشگوار اثر مرتب ہوں گے۔“ دوسری طرف موجود جرجیس کو ہولڈ کرنا اس نے ایک بار پھر اپنے اور نوبا کے مشترکہ کمرے کا رخ کیا تھا۔

”نوبا! جرجیس بھائی کا فون ہے۔ تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“ اس چھوٹی سی اطلاع میں جانے کیسی تاثیر تھی کہ اگلے ہی لمحے دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ اب وہ اندھیرا دھیرے سے ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف جارہی

تھی۔ اور وہیں ایک صوفے پر بیٹھے ایسیس عبد اللہ کا خون نقطہ ابال سے بھی زیادہ گرم ہو چکا تھا اور وہ نہایت خون آشام نظروں سے اسے گھورنے کے بعد باہر کا رخ کر چکا تھا۔

”ماہی! چلو تیار ہو جاؤ۔ جرجیس بھائی نے بلایا ہے۔“ خالہ ای کے گھر چلتے ہیں۔“ فون سن کر فاسف ہوئی تو اس کا لہجہ حیران کن حد تک بدل چکا تھا۔

”خالہ ای کے گھر چلتے ہیں مگر کس کے ساتھ؟“ ماہا اس کی بات سن کر بھنائی۔

”ایسیس کے ساتھ۔ جرجیس بھائی نے ہمیں لینے کی تو اسے یہاں۔“ بولنے کے ساتھ ہی اسے گھر میں ایسیس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ماہا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”جا چکے ہیں وہ یہاں سے۔ تمہارے خیال میں تمہاری طرف سے اتنی زیادہ عزت افزائی ہونے کے بعد بھی وہ یہاں رکے رہتے؟“ ماہا اس کی نظروں میں موجود سوال کو بھانپ کر اب اسے آڑے ہاتھوں لے رہی تھی۔

”وہ تمہیں تو پتا ہے نا ماہی! جرجیس بھائی برتھ ڈے پر صبح مجھے خوش نہ کریں ایسا تو کبھی ہوتا ہی نہیں۔ لیکن آج انہوں نے مجھ سے کوئی شکٹ نہیں کیا تو مجھے لمحہ آنے لگا۔ اس پر مئی بھی صبح سے غائب ہیں۔ اس لیے میرا موڈ زیادہ ہی خراب تھا۔“ وہ چھوٹی بہن کے سامنے اپنے رویے کی وضاحت کر رہی تھی لیکن وہ بھی اسے اتنی آسانی سے بخشنے کو تیار نہیں تھی۔

”نفسہ تمہیں جرجیس بھائی اور مئی پر آ رہا تھا اور کلام نے بے چارے ایسیس بھائی پر۔ یہ تو کوئی لطف نہیں۔ کتنے خلوص سے وہ تمہیں خوش کرنے آئے تھے اور تم نے انہیں کتنی بری طرح ڈس ہارٹ کیا ہے۔“

”اب جانے دو نا یار! میں بعد میں اس سے نکسکیوز کر لوں گی۔“ گلاس ٹیبل پر رکے سرخ لپ کے بکے سے بمشکل نظر چراتے وہ ماہا سے

مخاطب تھی۔ گلابوں کی خوشبوؤں کے ساتھ کسی کے جندبوں کی جو منگ گندھی تھی وہ اس کو محسوس کرنے کے باوجود بھی ہیشہ پہلو تھی کی کوشش کرتی تھی۔

”محبت کی اتنی بے قدری نہیں کرتے نوبا اور نہ یہ روٹھ جاتی ہے۔“ اس سے تین سال چھوٹی ہونے کے باوجود بھی ماہا اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھی۔

”فار گاڈ سیک ماہی! اپنا یہ فلسفہ پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ ابھی تو مجھے صرف جرجیس بھائی تک پہنچنے کی بے تالی ہے۔“ نوبا کی بات سن کر ماہا ایک ٹھنڈی سانس بھر رہے ہوئے جرجیس عبد اللہ کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی۔ موجودہ حالات میں وہی ان لوگوں کو لینے یہاں آسکتے تھے۔



اپنے کرب کو چھپا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے دھیمی دھیمی آگ میں جلنا مشکل ہوتا ہے یوں تو ضبط بہت ہے ہم کو لیکن کیا بتائیں آنکھ تک آئے آنسو پینا مشکل ہوتا ہے

آتی جاتی لہروں پر نظریں جمائے اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ حیرا آتی کے گھر سے نکل کر وہ جانے کتنی دیر شہر کی سڑکوں پر مارا مارا پھرا تھا اور جانے کس طرح اس نے گاڑی کا رخ سی دیو کی طرف موڑ لیا تھا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ تو بس رگ و پے میں دوڑتی آگ کو بجھانے کی سعی کر رہا تھا۔

نوبا کے رویے نے اس کو بے انتہا کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اپنے اندر کروٹیں لیتے اس کرب اور سینے میں جلتی آگ کو قابو میں کیے بغیر وہ واپس گھر کا رخ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب ہی بار بار موبائل کی بیل اور اسکرین پر نظر آنے والے جرجیس کے نمبر سے بھی نظریں چارہا تھا۔ لیکن دوسری طرف وہ بھی بڑی مشکل سڑاکی سے اس کے پیچھے پڑے تھے۔

”ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“ یہ سب بھی کئی دفعہ مل چکا تھا۔ لیکن اس نے اپنی ساتھیوں کو

آنکھوں کو مکمل طور پر بند کر رکھا تھا۔ بلکہ اس نے چڑ کر میاں کی بھی تکیہ کر دیا تھا۔ اس وقت اسے ساری دنیا ہی لگ رہی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے بے انتہا محبت کرنے والے بھائی سے بھی حسد محسوس ہو رہا تھا۔

آنکھیں بند ہی مچیں بعد تو اس کے دل نے خوش ہونے کی خواہش کی تھی سوچ رہا تھا کہ اگر وہاں نہ ہو تو اسے کچھ عرصے سے بہت اچھی لگنے لگی تھی اور جو اس کی زبان سے بے ساختہ ہی نکل جانے والے جملوں پر خود کو لاپرواہ پوز کرتے ہوئے بھی شرم سے سرخ ہو جاتی تھی۔ اس کی برتھ ڈے پر بے ساختہ ہی اس کا دل چاہا کہ اسے کچھ مختلف طریقے سے دس کرے۔ ورنہ ہمیشہ تو وہ لوگ ای ابو کے ساتھ مل کر شام کو اس کے گھر جاتے تھے البتہ جرجیس صبح ہی اسے دس کر دیتے تھے۔ لیکن آج اس نے خاص طور پر انہیں روک دیا تھا۔

”بھائی پلیز آج آپ اسے فون مت کیجئے گا۔ آج میں اسے میرا ازوننا چاہتا ہوں۔“ اس کے کہنے پر جرجیس عبد اللہ مسکرا دیے تھے اور پھر ان لوگوں نے فون کر کے چپکے سے حمیرا آئی کو اپنے گھر بلا لیا تھا۔ لیکن کون کے ذمہ لگا کر وہ لوگ سودا سلف لانے اور برتھ ڈے کے حساب سے ڈرائنگ روم کو سجانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ پھر شام کو جرجیس نے اپنی گاڑی کی چابی بھی اس کے حوالے کر دی تھی کہ وہ جا کر زوہا اور بابا کو لے آئے۔

اور پھر ان کے گھر کی طرف جاتے ہوئے الوبی جزیوں میں گھرے اس نے سرخ گلابوں کا وہ خوبصورت سا بکے بھی لے لیا تھا۔ لیکن زوہا نے اس کے غلوں کے جواب میں جو وہ یہ اہٹایا وہ بہت زیادہ تکلیف پہنچا۔ اپنے جذبے کی توہین اسے بے طرح لگا رہی تھی۔

”میں نے تو سنا ہے ال کراپی اپنے اس سمندر پر بیٹا کر رہتے ہیں لیکن آپ تو لگتا ہے آج اسے سنگار

ہی کیے جائیں گے۔“

وہ عالم دیوانگی میں چھوٹے چھوٹے پتھر سمندر کی طرف مسلسل اچھال رہا تھا کہ اپنے قریب سے ابھرنی آواز پر چونک گیا۔ وہ اس کی کلاس کیلو مبشرہ تھی جو حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی سے مائیکریٹ ہو کر کراچی یونیورسٹی آئی تھی۔

”اوہ۔ مس مبشرہ! کیسی ہیں آپ؟“ اپنے آپ پر بمشکل قابو پا کر وہ اپنے ہونٹوں پر ایک نمرا کھنکھسہ مسکراہٹ سجانے میں کامیاب ہوا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ آپ سنائیے آج یونیورسٹی نہیں آئے۔ اور اب یہاں کھڑے سمندر سے دشمنی نکال رہے ہیں۔“ اس کا انداز ہمیشہ کی طرح شہنشاہی تھا۔ وہ جھینپ گیا۔

”جیسے ایسی کوئی بات نہیں۔ بھلا سمندر سے کون دشمنی پال سکتا ہے۔ میں تو بس یونہی گھر کے بنگاموں سے گھبرا کر یہاں آ نکلا تھا۔“

”اگر تم مجھ ناچنے کا تعارف بھی اپنے کلاس فیلو سے کروادو تو کوئی حرج نہیں ہو گا۔“ بلو جینز لور وہاں ٹی شرٹ میں ملبوس لڑکے کی مبشرہ کے ساتھ موجودگی کا نوٹس اس نے اس کی احتجاجی جملے کے بعد ہی لیا تھا۔ جبکہ مبشرہ ہنس پڑی۔

”ہاں بھی اسیس! ان سے ملو! یہ مرسلین ہیں میرے فرسٹ کزن۔“ اس نے فقط ایک جملے میں تعارف کا فریضہ بھگتایا۔

”ہائس ٹومیٹ یو مسٹر مرسلین! اپنی تمام تر کیفیت بھول کر مرسلین سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے کہا جبکہ مرسلین اپنے آپ کو فقط کزن کی حیثیت سے تعارف کروائے جانے پر مبشرہ کو خطرناک تیوروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے انداز پر ایک بار پھر اس کی ہونٹوں پر ہنسی بکھر گئی۔

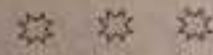
”سوری اسیس! میں بتانا بھول گئی کزن کے علاوہ بھی ان صاحب کا ایک حوالہ اور ہے اور اگر میں کسی اسٹارٹ لڑکے کے سامنے اس حوالے کا ذکر کرنا بھول

جاؤں تو یہ صاحب بہت ناراض ہوتے ہیں۔“ مبشرہ کی بات پر وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیا تھا۔ جس حوالے کا وہ ذکر کر رہی تھی وہ بن بتائے بھی ان دونوں کے چہرے پر بکھرا ہوا تھا۔

”اگر آپ ہمیں جوائن کریں تو ہمیں بہت خوشی ہوگی مسٹر اسیس۔“

مرسلین کی پیشکش پر اس نے بے سوچے سمجھے ہاں بھری۔

اور پھر واقعی ان دونوں کے ساتھ واک کرتے اور ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے کے بعد اس کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔



”اتنی دیر لگا دی اسیس! کہاں رہ گئے تھے حمیرا آئی اور طارق انکل بھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی گئے ہیں۔“ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی لڑ بھینز جرجیس عبد اللہ سے ہوئی۔ اور انہوں نے اس سے باز پرس شروع کر دی۔ وہ بنان کی کسی بات کا جواب دیے سیدھا ڈرائنگ روم تک آیا تھا جہاں کا ماحول کسی تقریب کے اختتام کا منظر پیش کر رہا تھا۔

(اونہ! انتظار کر رہے تھے۔ سب کچھ تو میرے بغیر صلیبیوٹ کر لیا۔ اب خواہ مخواہ کا پیار جتایا جا رہا ہے) وازنات سے بھری ٹرائی جس پر آدھے سے زیادہ استعمال شدہ کیک کی پلیٹ سب سے نمایاں تھی کو ایک طرف رکھ لیں کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے جلد سے سوچا۔

”آئی اور بابا تو بالکل بھی راضی نہیں ہو رہی تھیں تمہارے بغیر کیک کاٹنے کے لیے لیکن مجھے پتا تھا کہ تم جان بوجھ کر غائب ہوئے ہو۔ اس لیے میں نے بھی اصرار کر کے زوہا سے کٹوایا۔ ویسے یار! اتنے بڑے ہو کر بچوں کی طرح روٹھنا کچھ اچھا تو نہیں لگتا۔“ اس کے اندر اچھے غصے کو نظر انداز کیے وہ مسلسل اپنی ہی غلطی میں مصروف تھے۔ ساتھ ہی ان کے ہاتھ ڈرائنگ روم کے پھیلاوے کو بھی جیزی سے

سمیٹ رہے تھے۔

”زیادہ کا بیٹا بیمار تھا۔ وہ جلدی چھٹی لے کر چلی گئی۔ آئی نے بہت اصرار کیا کہ فوڈ اور ملبوس پتہ سمیٹ دیں گی لیکن میں نے کہا کہ میں جب دعوت ہماری طرف سے ہے تو میزبانی کے سارے فرائض بھی ہمیں ہی پورے کرنے چاہئیں ویسے بھی آئی صبح سے آئی ہوئی تھیں۔ اب پھر دوبارہ ان لوگوں کو تنگ کرنا مناسب نہیں تھا۔ طارق انکل کو صبح آفس بھی جانا ہوتا ہے۔ اگر وہ لوگ یہاں کام میں لگ جاتے تو رات زیادہ ہو جاتی پھر صبح اٹھنے میں پریشانی ہوتی انہیں۔“ اب وہ ٹرائی دھکیلتے کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔

”بھائی! صبح مجھے جلدی مت اٹھائیے گا میں کل یونیورسٹی نہیں جاؤں گا۔“ عقب سے آئی اسیس کی آواز پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ پیروں کو جوتوں سے آزاد کیے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے آنگن میں موندے بیٹھا تھا۔ ٹرائی کو وہیں چھوڑ کر وہ واپس پلٹ کر اس کی طرف آئے۔

”اس سے بدگمان مت ہو اسیس! وہ بہت معصوم اور بزدل ہے۔“ ان کے ہونٹوں سے ادا ہونے والے جملے نے اسے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول کر سیدھا جیتنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”جس سے بدگمان ہونے کی بات کر رہے ہیں بھائی! میں سمجھا نہیں؟“ نہ سمجھنے کا دعوا کرنے والے کا لہجہ سچائی کو چھپانے سے قاصر تھا۔

”مجھے مافی نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ میں مانتا ہوں“ اس کی غلطی ہے لیکن تمہیں پتہ ہے وہ میرے معاملے میں کتنی حساس ہے۔ صبح صبح نہ کرنے پر ناراضی مجھ سے تھی لیکن چونکہ تمہارا سامنا پہلے ہو گیا سو ذرا تم آگے۔ لیکن کرو اس نے اپنی زبان سے اظہار نہیں کیا لیکن وہ بہت شرمندہ تھی۔ بالکل بھی انجوائے نہیں کیا اس نے آج اپنی برتھ ڈے کو سہی کا توار وہ تھا کہ آئی سے اس کی شکایت کرے گی لیکن پھر اس کی حالت دیکھ کر چپ ہو گئی۔ جو پہلے ہی اپنے کیے پر غلام

ہو اسے مزید شرمندہ کرنے کا کیا فائدہ۔
 زہا کی بات تو جیسے عبد اللہ کا اولین فرض تھا۔
 ”آپ غلط سمجھ رہے ہیں بھائی! ایسی کوئی بات
 نہیں۔ میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔ ایک بھوکے
 مجھے میری کلاس فلور اور اس کا کزن مل گیا تھا تو ان کی
 سمجھتی میں انہوں نے کہتے ہوئے وقت کا احساس ہی
 نہیں ہوا۔ یہاں پہنچیں آپ لوگ کیا کیا سوچ کر اپنا
 خون جلاتے رہے۔ وہ کب بھی کچھ تسلیم کرنے کو
 راضی نہیں تھا۔

جر جیس عبد اللہ بے اختیار ہی ایک گہرا سانس لے
 کر رہ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اس قسم کے موڈ میں وہ ان
 کی کوئی بھی بات سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اس
 کا یہ غصہ اب خود ہی ختم ہونا تھا۔ کم از کم ان کے
 سمجھنے کا اس کی کیفیت پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔
 چنانچہ انہوں نے اپنے کالم کا سلسلہ پھر وہیں سے
 جوڑ دیا۔ اس بار اس میں بھی ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ جلد ہی
 وہ دونوں خاص فوج کو اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔
 ”میری چاہت کو مٹی بے دردی سے اپنے قدموں
 تلے روند دیتی ہو زہا!“ وہ اس کے تصور سے شکوہ کنال
 تھا۔ زہا تھا اس کے دل کی آرزو نہیں تھی۔ اسی بھی
 اسے اپنی ہونٹوں کی خواہش مند تھیں۔ انہوں نے
 ایک دن اس سے کہا بھی تھا کہ وہ اس سلسلے میں حیرا
 سے بات کریں گی۔ لیکن زندگی نے وفائے کی۔ آج اگر
 زندہ ہو تیں تو وہ جان لیتا کہ وہ زہا کے لیے اپنا دامن
 حمیرا کے آگے پھیلا چکی ہیں۔ خود حمیرا کے رویے سے
 ہر حال کسی قسم کا انکار نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اپنے
 ہاتھوں سے بے تحاشا محبت کے پل جو وہ اب وہ اکثر زہا
 اور مہا کے معاملے میں اختیار کرتے تھے۔ ”پتا
 نہیں قدرت نے میرا اور اس کا ساتھ مقدمہ میں لکھا
 ہے کہ نہیں۔“ دل اچانک ہی اس خیال سے دلی گیا
 تھا۔ اور وہ بے چینی سے اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگا۔
 بات سننے کی محنت کے پل جو بھی خند آنکھوں سے
 نکلتے تھے۔

دھڑکنوں میں ارتعاش پیدا کیا۔
 ”ہیلو!“ اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ لیکن
 دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ سی۔ ایل۔ آئی کی
 اسکرین بھی کسی شناسا نمبر کو ظاہر کرنے کے بجائے
 ظاہر کر رہی تھی کہ یہ کال کانٹک کارڈ کے ذریعے کی
 جارہی ہے۔

”ہیلو!“ وہ ایک بار پھر بولا۔ لیکن اس بار بھی
 صرف ہواؤں کے دوش پر سفر کرتی کسی کے ہلکے سے
 سانس لینے کی آواز سماعتوں تک پہنچی تھی۔ وہ اطمینان
 سے سیٹ اٹھا کر اپنے بیڈ پر آ بیٹھا۔

”جب فون کرنے کی زحمت کر لی ہے تو شرف کلام
 بھی بخش دیجئے۔“ مزاج میں اچانک ہی خوشگوار پری در
 آئی تھی لیکن دوسری طرف ہنوز چپ کی حکمرانی تھی۔
 ”چہ چہ۔ ایسی بھی کیا انا کہ انسان ایک سوری تک
 نہ کہہ سکے۔ یا پھر ڈر لگ رہا ہے مجھ سے بات کرتے
 ہوئے۔“ وہ اسے اکسارہا تھا کہ کسی طرح زبان سے
 کوئی لفظ ادا ہو جائے لیکن نتیجہ امید کے بالکل برعکس
 نکلا اور فون کھٹ سے بند ہو گیا۔ اس نے بھی فون کو
 واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ البتہ ایک دھیمی سی سکرپٹ
 نے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔ بے شک اس نے زبان
 سے کچھ نہ کہا تھا لیکن اس کے کال کرنے سے ظاہر تھا
 کہ اسے اپنی لفظی کا احساس ہے۔

”میرے خیال میں اب تمہیں شادی کر لینا چاہئے
 جر جیس بیٹا!“

حمیرا آئی نے اوہرادھر کی باتیں کرتے اچانک ہی یہ
 بات کہی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو ششک سے گئے۔ آج
 بہت دنوں بعد وہ ہاسپٹل سے سیدھے ان کے گھر چلے
 آئے تھے۔ اصل میں جب سے اسی ابو کی ڈنٹھ ہوئی
 تھی زہا اور مہا نے گھر آنا تقریباً چھوڑ دیا تھا کسی خاص
 موقع کے علاوہ وہ لوگ وہاں نہیں آتی تھیں۔ وہ خود
 بھی اپنے سوشل سیٹ اپ کو سمجھتے تھے اس لیے آئی
 کی طرف سے ہلکی جالے والی اس احتیاط پسندی پر شکوہ

”کیا البتہ آج زہا سے ملنے کا بہت ہی زیادہ دل چاہ رہا
 تھا سو سیدھے یہاں کا رخ کیا۔ وہ ابھی تک یونیورسٹی
 سے نہیں لوٹی تھی۔ وہ سچ کو اس کی آمد تک ٹال کر آئی
 سے گپ شپ میں مصروف تھے۔ جبکہ مہا کالج سے
 آنے کے بعد اب ظہر کی نماز ادا کر رہی تھی۔

”آج آپ کو میری شادی کا خیال کیسے آگیا۔“ وہ
 بات کے پس منظر کو جانتا چاہ رہے تھے۔

”کیوں خیال آنے کی کیا بات ہے۔ اب تم اس
 لائق ہو گئے ہو کہ ایک گھر اور بیوی کی ذمہ داری نبھا
 سکو۔ ویسے بھی تمہارے ہاں کسی عورت کی موجودگی کی
 ضرورت ہے۔ نوکر چاکر چاہے جتنے بھی اچھے اور وفادار
 ہوں گھر کو ہر حال ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے جو
 نہ صرف گھر کو سجائے سنوارے بلکہ زندگی میں
 خوشگوار کا احساس بھی پیدا کرے۔“

”پھر کیا سوچا ہے آپ نے اس سلسلے میں۔“ ان
 کے ہنچرے محفوظ ہوتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

”سوچنا کیا ہے۔ لڑکیاں تو گھر میں ہی موجود ہیں۔
 اگر تم کو تو بھابھی سے شادی کے لیے کہتی ہوں۔“
 اپنے سامنے ترتیب سے رکھے میگزینز کو نئے سرے
 سے ترتیب دیتے اب وہ ان کی طرف دیکھنے سے
 گریباں تھیں۔

”آپ اس سلسلے میں اپنی بھابھی سے بات کریں گی
 انہوں نے ہی آپ سے یہ سلسلہ شروع کروایا
 ہے۔“ جر جیس عبد اللہ کی جاچتی نگاہیں ان کے
 چہرے پر جمی تھیں۔

”تو کیا حرج ہے اگر انہوں نے خود بھی کہا ہے۔ وہ
 دن میں سوچ سکتی ہیں تمہارے بارے میں۔“ وہ اپنی
 دھیمی کی صفائی پیش کر رہی تھیں۔

”شانہ کی تعلیم بہت کم ہے آئی! میرا مینٹل لیول
 ان کے ساتھ میچ نہیں کر سکے گا۔“ انہوں نے اپنا
 حرج پیش کیا۔

”تو پھر رانیہ کے لیے بات کر لیتے ہیں وہ تو میڈیکل
 سائنس دانٹ ہے تمہارے پروفیشن کی لڑکی تو سوٹ
 ہے گی نا تمہیں۔“ انہوں نے فوراً ہی ان کی

سامنے دو سرا آئینہ رکھا۔

”معاف کر دیں۔ اس سے شادی کرنے سے بہتر
 ہے آدمی خود کشی کر لے۔ ابھی فرسٹ ایئر میں ہے
 ایم بی بی ایس کے اور لگتا یوں ہے کہ شہر کی سب سے
 بڑی لیڈی ڈاکٹر ہو۔ ویسے بھی اس کا اور میرا بیچ
 ڈیفرنس بہت زیادہ ہے۔“ ان کا دو سرا آئینہ ابھی انہوں
 نے فوراً رو کر دیا۔

”تو تم خود بتا دو اپنی کوئی پسند ناکہ میری جان
 چھوئے۔“ انہوں نے جھنجھلا کر ہاتھ میں پکڑے
 میگزین کو ٹیبل پر ٹھکا۔ بھونج نے بڑا زور دے کر انہیں
 جر جیس سے بات کرنے کے لیے راضی کیا تھا لیکن
 اب لگتا تھا کہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی اور
 ان کے لیے بھابھی بیٹم کے انداز میں مزید سرد مہری
 پیدا ہو جائے گی۔

”ایک لڑکی ہے ہمارے ہاسپٹل میں۔ لب میں کام
 کرتی ہے۔ پیرا سائٹولوجی میں ماسٹرز کر رہا ہے۔ اگر
 آپ چاہیں تو اس کی آپ سے ملاقات کروادوں۔“
 کچھ جھنجھکتے ہوئے انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔

”کیا نام ہے اس لڑکی کا؟“
 ”نایاب علی لیکن سب نیا کہتے ہیں۔“

”کتنے عرصے سے تمہارے ساتھ ہے؟“
 ”تقریباً ایک سال سے۔“ وہ تفتیشی انداز میں
 پوچھتے گئے سوالوں کا جواب دے رہے تھے۔

”ٹھیک ہے جب تمہیں پسند ہے تو چلے چلتے ہیں
 اس کے گھر۔“ ان کا لہجہ کچھ روکھا سا تھا۔

”بات میری نہیں آپ کی پسند کی ہے۔ اگر آپ
 نے اوکے کر دی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر کوئی اور لڑکی
 ڈھونڈ لیجئے گا۔“ ان کے جملے نے ان کی تشفی
 کروادی۔

پھر جلد ہی نیا سے ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ وہ
 سب کو بہت پسند آئی۔ متوسط طبقے کی قبول صورت سی
 لڑکی جو گھر کو سنوارنے کا ہنر جانتی تھی سو فوراً ہی ان
 کے دل میں اتر گئی۔ چٹ مٹنی اور ہٹ بیاہ کا فیصلہ
 اسے دیکھنے کے ساتھ ہی ہو گیا۔

جانیے کے لیے نہیں۔" نہایت بے رخی سے جواب دے کر وہ دوبارہ اپنی دوست کی طرف متوجہ ہو گئی۔ احساس توہین سے اس نے اپنی مٹھیاں اتنی زور سے بھیجیں کہ لگا لگیں پھٹ جائیں گی۔ ایک جھٹکے سے مرکز وہ تیز قدموں سے وہاں سے دور ہوتا چلا گیا۔ اور اب اپنے ڈیڑ ٹنٹ کے عقب میں بیٹھا خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہیلو بھی۔ کہاں کھوئے ہوئے ہو۔" مبشر نے اپنی قائل سے ایک پیپر نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ وہ یکدم ہی چونکا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"اتنی خوبصورت لڑکی پاس بیٹھی ہو اور بندہ کہیں اور خیالوں میں ڈوبا بیٹھا ہو یہ تو سخت توہین کی بات ہے۔" وہ نزاکت سے بالوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے ایک ادا سے بولی تو بے ساختہ ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"سچ کہو کون ہے وہ بھوتہماری ارد گرد کی دنیا بھلا دیتی ہے۔" نہایت رازدارانہ انداز میں پوچھتے ہوئے اس کے چہرے پر شوخی کا تاثر تھا۔ لیکن اس کے ایک دم ہی ہونٹ سچ گئی۔

"کیا لڑائی ہو گئی ہے اس سے؟" وہ غصے کی قیافہ شناس تھی۔ اس کے سینہ بھل کر بیٹھا رہا۔

"مجھ پر ریسرچ کرنا چھوڑیں۔ یہ بتائیں کہ آپ کی دوستوں کی فوج کہاں ہے جو آپ مجھ غریب پر مہمان ہو رہی ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میرے دوستوں کی کوئی فوج نہیں بلکہ ایک چھوٹا سا گروپ ہے جو آج مجھ سے بے وفائی کرتے ہوئے غائب ہو گیا ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر تم آپ جناب کا تکلف ختم کرو تو تمہیں بھی اس گروپ کی ممبر شپ دی جاسکتی ہے۔" اس نے بڑی فراخ دلی سے آفر کی۔

"یعنی تم اپنی فوج میں مجھے بھی سپاہی بھرتی کرنا چاہا رہی ہو۔" اس کے شرارت سے پوچھنے پر وہ اسے مصنوعی غصے سے گھورنے لگی۔

"اچھا بابا! گھور مت، میں مان لیتا ہوں کہ تمہارا

ہیلو ایس! خیریت یہاں کیسے بیٹھے ہو؟" ڈیڑ ٹنٹ کے عقبی حصے میں وہ ایک بیچ پر بیٹھا تھا کہ مبشر جلی قائل سے اس کے ہاتھ میں لپکھ قائل اور بائیں بازو پر شولڈر بیگ ڈالے اب وہ بیٹھنے کے لیے جگہ کی تلاش کر رہی تھی۔ اس کا مقصد بھانپ کر بیچ کی ایک سائیڈ پر ہو بیٹھا۔ وہ بھی بے تکلفی سے دونوں چیزیں بیچ پر درمیان میں رکھتے ہوئے خود دوسری طرف پر بیٹھ گئی۔

"مجھے لگتا ہے تمہیں لوگوں سے کٹ کر الگ تھلک بیٹھنا کچھ زیادہ ہی پسند ہے۔" اتفاق ہی تھا کہ ایسے ہر موقع پر جب وہ زہا کے ہاتھوں کوئی چوٹ کھا کر دنیا سے بیزار بیٹھا ہوتا وہ جلی آتی۔ آج صبح سے کلاس کا سلسلہ یونی سا چل رہا تھا۔ سیمسٹر کا اتمام تھا۔ اس نے سوچا تھا زہا کے ساتھ جا کر کچھ شاپنگ کر لیا جائے۔ جرجیس بھائی کی شادی بالکل سر پر کھڑی تھی۔ وہ نیا بھائی کے لیے گفت زہا کی پسند سے لینا چاہتا تھا۔ یہی سوچ کر وہ سائنس فیکلٹی کی طرف چلا آیا۔ زہا اسے باہر کا ریڈور میں ہی اپنے دوستوں کے گروپ کے ساتھ کھڑی نظر آئی۔ خود اس نے بھی اس کو دیکھ لیا لیکن آرام سے اپنے دوستوں سے باتوں میں مصروف رہی۔

"ایک سیکیورٹی زہا! مجھے تم سے کچھ کلام ہے۔" اس کی لاپرواہی کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس کے قریب جا کر مخاطب ہوا۔

"کیا کلام ہے؟" اس نے نہایت اٹھ مار انداز میں پوچھا۔

"میں چاہتا تھا کہ اگر تمہاری کلاس نہ ہو رہی ہو تو ہم طاقتور رہا چلتے ہیں نیا بھائی کے لیے کوئی گفت لے لیں گے۔" اسے مضبوطی سے اپنی جگہ سے دیکھ کر ہاتھ اسیس کو وہیں سب کے درمیان کھڑے ہو کر اپنا مدعا بیان کرنا ہوا۔

"سوری! میں یونیورسٹی پڑھنے آئی ہوں تو ہر ادھر

صرف ایک چھوٹا سا گروپ ہے جس کی رکنیت حاصل ہونے پر مجھے فخر ہے۔" زہا کے برہنہ ڈسے والے دن کی طرح آج بھی وہ اس کی سنگت میں اپنی مینڈیشن فراموش کر چکا تھا۔

"ایس! ذرا فلاح اور شاپ سے جا کر کنگن تولے آؤ میں اور ماما آرڈر دے کر آئے تھے اب تک تیار ہو گئے ہوں گے۔ میں جرجیس بھائی کے ساتھ نیا بھائی کو پار لے لینے جا رہی ہوں ہم لوگ سیدھے وہاں سے میرج لان ہی پسچیں گے۔ تم ذرا جلدی سے یہ کام کرو۔" مہمانوں کی آمد پر خواہش کو کنگن پیش کیے جائیں گے۔"

آرگنٹ انیٹ کے ہلکے سے کام والے پرپل سوٹ پر میچنگ جیولری پہنے وہ روانی سے اپنی بات کہتے ہوئے خود پر موجود اس کے وارفتہ نگاہوں سے انجان بنی کر سی گئے تھے پر مٹی جلدی جلدی اپنی سینڈل کا اسٹریپ لگانے میں مصروف تھی۔ اگرچہ یونیورسٹی میں پیش آنے والے واقعے کے بعد سے اس نے اس سے بات چیت بند کر رکھی تھی لیکن دل بہر حال ترک راہ پر راضی نہیں تھا۔ اب بھی اس کی بات پر کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔ لیکن وہ بھی بے فکر تھی پتا تھا کہ بات سن لی گئی ہے اور عمل بھی ہو جائے گا۔ پوری شادی میں اس نے اس کے ساتھ یہی رویہ اپنایا ہوا تھا۔ وہ کوئی بات کرتی تو جواب نہ دیتا لیکن کام بہر حال ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اب بھی مطمئن سی باہر نکل گئی۔

نیا بھائی کو لے کر جب وہ لان میں پہنچی تو کنگنوں کے علاوہ حضرات کو پیش کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے بوکے بھی تھے۔ اس نے دل ہی دل میں اس کی ماضی دماغی کی داد دی ورنہ وہ تو اتنی اہم بات کو فراموش ہی کر چکی تھی۔ ماموں کی فیملی نے تو ہر کام سے ہاتھ اٹھایا ہوا تھا۔ شرکت بھی بالکل وقت کے وقت کی جاری رہی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر میرا جرجیس پر اندر دیتیں تو وہ ٹائیڈ نہ سہی رانیہ کے لیے تو ضروری

راضی ہو جاتا۔ ایک طرح سے ان کی سوچ ٹھیک بھی تھی کیونکہ جرجیس واقعی حیران کی خواہش پر اپنی پسند کو قربان کر دیتے۔ لیکن حیرانے مناسب نہ سمجھا کہ زندگی کا اتنا خوبصورت اور اہم رشتہ جرجیس دل کی منظوری کے بغیر جوڑ لیں۔

نیا کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر مسکراتے جرجیس کو دیکھ کر وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھیں۔ بس بس بس کی یاد بار بار ان کی آنکھوں کے گوشے بھگو ڈالتی تھی۔ جرجیس کو دھماکا بناتے وقت تو وہ سب لوگ ہی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پائے تھے خوشی کے یہ بیل بڑے بھیکے بھیکے سے تھے۔ لیکن بہر حال یہ تو قانون قدرت ہے۔ خوشی اور غم ایک دوسرے کے تعاقب میں لگے رہتے ہیں۔ کبھی غم حد سے سوا ہو جائے تو مالک کل اس کی شدت کو کم کرنے کے لیے خوشیوں کا مرہم عنایت کر دیتا ہے اور کبھی بے تحاشا خوشی میں بھی دل میں اٹھتی درد کی لہریں انسان کو اپنے سے باہر نہیں ہونے دیتیں۔

"السلام علیکم۔ مجھے مبشر کہتے ہیں۔ اس کے کلاس فیلو ہوں۔" وہ استقبالیہ پر کھڑی تھی کہ ایک کامنی سی لڑکی نے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

"ہائیکس ٹو میٹ یو مبشر جی! آئیں میں آپ کو ماما کے پاس چھوڑ آؤں۔" خوش دلی سے اس کا استقبال کرتی وہ اسے لے کر راؤنڈ ٹیبلز کی طرف بڑھی تھی۔

"تھینک یو زہا! پلیز اس کے کو میرے بارے میں بتا دینا۔"

"ارے آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" زہا کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی تھی۔

"بھئی۔ بات یہ ہے کہ میرے دوست مجھے انسائیڈ کو بیٹھا کہتے ہیں یونیورسٹی میں پڑھنے والے آدمی سے زیادہ لوگوں سے میں واقف ہوں سو تمہیں بھی جانتی ہوں۔"

"کیا واقعی؟" زہا کی حیرانی میں مزید اضافہ ہوا۔

"اوہ یار! اتنا حیران مت ہو۔ میں مذاق کر رہی تھی۔"

تھیں تو میں اس کی کرن ہونے کی وجہ سے جانتی ہوں۔ اصل میں میری اس سے بہت اچھی دوستی ہے اس لیے اس کے متعلق ہر بات سے میں واقف ہوں۔ اس کے لیے میں عجیب سا قافہ تھا جسے محسوس کر کے زوہا کو کچھ بے چینی سی ہوئی۔

"لہذا یہ اس کی کلاس فیلو ہیں بشو پلیر آپ انہیں کہتی ہیں میں اس کو بھجوا رہی ہوں۔" اس نے ایک جملے میں تعارف کی رسم نبھا کر قدم واپس موڑ لیے۔

حیرانہ ملتی بشو کے چہرے پر ایک معنی خیزی مسکراہٹ ڈھکی۔

"زوہا! تمہیں بشو کیسی لگی؟" کچن کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے اس کی بات پر تیزی سے کافی سمجھتے اس کے ہاتھ کچھ پل کے لیے سہکت ہو گئے تھے۔ آج نیا بھائی کی کھیر پکائی کی رسم تھی اس سلسلے میں صرف قریبی لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ خالہ ای کے نہ ہونے کا احساس ملانے کے لیے چھوٹی سی چھوٹی رسم بھی پوری کی جا رہی تھی۔ بانو مہینہ بھر سے یہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔ ان کی موجودگی میں بھابھی کی مجال نہیں تھی کہ مل کر پانی بھی خود سے پی لیں۔ سارے چلو چوکھے پورے کیے جا رہے تھے۔ فراغت سے پور ہوتی نیا نے میرا سے اپنی بورت کا رونا رو کر سفارش کی درخواست کی تھی۔ بانو جن کا تین مہینے سے پہلے ہو کو کسی کام کو ہاتھ لگانے دینے کا ارادہ نہیں تھا یہی مشکل سے راضی ہوئی تھیں۔ بہر حال میرا کے بہت زیادہ زور دینے پر آج یہ سلامتی گھر پر قریب آج کی گئی تھی۔

ڈنر کے بعد سب لوگوں کو چائے کی طلب ہو رہی تھی سو زوہا کچن میں چلی آئی۔ چائے کے ساتھ ساتھ وہ جرجیس کی فیملش پر ان کے لیے کافی بھی تیار ہی تھی۔ اس میں جس کی چپ اٹھی تک قائم تھی نہ جانے کب انھوں نے اس کے پیچھے کچن تک چلا آیا کہ اسے خبر تک نہ

ہوئی۔ جبکہ دوسری طرف وہ ایسے دوستانہ انداز میں مخاطب تھا کہ جیسے کبھی ناراض ہی نہ ہوا ہو۔

"جواب نہیں دیا تم نے میری بات کا؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"پچھی خوبصورت لڑکی ہے۔ مزاج کے بارے میں تم زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کیونکہ بہر حال دوست تو تمہاری ہی ہے۔" اس کا رکا ہوا ہاتھ دوبارہ سے متحرک ہو گیا۔

"اور اگر میں اسے لائسنس پارٹنر بنانا چاہوں تو؟"

"سی۔" چائے کی کیتلی کا ڈھکن اٹھاتے اس کا ہاتھ جانے کیسے گرم کیتلی پر جا لگا تھا۔

"کیا ہوا زوہا! اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ بے قراری سے اس کی طرف لگا تھا۔

"احتیاط سے کام نہیں کر سکتیں تم۔" سرخ ہوتے اس کے ہاتھ کو تمام کر وہ اس پر خفا ہو رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر چہرے پر بیٹھ گئے۔

"چھاروؤ مت میں ابھی کوئی دوا لگا رہا ہوں۔" اس کے بپتے آنسوؤں نے فوراً ہی اس کا دل موم کر دیا تھا۔

"وہاں سب چائے کے انتظار میں بیٹھے ہیں لیکن یہاں تو لگ رہا ہے کوئی بہت ہی امپورٹنٹ مینٹگ پتل رہی ہے۔"

کچن کے اندر جھانکتی رانیہ کے طنزیہ جملے پر وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی لیکن ہاتھ اب بھی اس کی گرفت میں تھا۔

"کبھی کبھی اپنے ان اعلا خیالات کو اپنی ذات تک محدود رکھ لیا کرو تو کوئی حرج نہیں۔ ہاتھ جل گیا ہے زوہا کا اگر ہو سکے تو خود زحمت کرو اور چائے پیالیوں میں نکال کر سب کو پیش کر دو۔" زوہا کی تکلیف کے سامنے وہ کسی کو بھی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔

"سوری! یہ کام میرے بس کی بات نہیں۔ جب زوہا کی تکلیف کا علاج ہو جائے تو یہ خود ہی لے آئے گی۔" نہایت نفوت اور بے مروتی سے جواب دیتی وہ

وہاں سے چلی گئی۔

"اب تو چھوڑ دو میرا ہاتھ یا لوگوں میں اشتہار لگوانا ہے۔" وہ اس پر جھنجھلا رہی تھی۔

"بے کار میں ہر بات کی منشن مت لیا کرو لوگوں کی فضول باتوں پر توجہ دو گی تو زندگی اچیرن ہو جائے گی۔" کچن میں رکتے فریج سے کوئی ٹوب نکالے اس وہ اس کی جلد پر کریم لگا رہا تھا۔

"یہی بے کار کی باتیں ساری زندگی انسان کے لیے الزام بنی رہتی ہیں۔" اس کی کھائی چھوڑ چکا تھا۔ وہ نہایت آزدگی سے کتنی دوبارہ چائے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم رہنے دو میں زیدہ کو بلاتا ہوں وہ چائے سرو کر دے گی۔"

اس کو دوبارہ سے کام میں لگتا دیکھ کر وہ نرمی سے بولا۔ اس نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل کر کہیں تنہا جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر پہلے گئے جانے والے اس کی آنکھوں کے انکشاف اور رانیہ کے طنزیہ جملے نے اس کے دماغ کی چولیس ہلا دی تھیں۔ اب سب کے درمیان جا کر دوبارہ سے بیٹھنا اور خود کو فریش ظاہر کرنا بہت مشکل تھا۔

اس کی خاموشی سے اسے باہر کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر پہلے فریش فریش سی زوہا کی چال میں عجیب تھکان سی اثر آئی تھی۔ کس چیز نے اسے تڑھال کر دیا ہے۔ وہ سمجھ کر بھی نظر چرا گیا اور زیدہ کو چائے لانے کا آرڈر دیتے ہوئے سب کے درمیان لاؤنج میں جا بیٹھا۔ جہاں سب اپنی اپنی باتوں اور خوش گپوں میں مصروف تھے۔ زوہا اور اس کی غیر حاضری کا تو شاید کسی کو خیال بھی نہیں آیا تھا۔ البتہ ایک کونے میں سر جوڑے باتیں کرتی ممالی، ٹانیہ اور رانیہ نے ضرور اس کے تنہا واپس آنے کا نوٹس لیا تھا۔

"سیس بیٹا! یہ زوہا کہاں رہ گئی بڑی دیر ہوئی چائے بنانے گئی تھی؟" بظاہر لہجے میں حلاوت لیے وہ معنی خیز انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"زوہا بی بی کا ہاتھ جل گیا۔" وہ ادھر بڑی بی بی کے کمرے میں بیٹھی ہیں۔" اس کیس کے کچھ پوچھنے سے قبل ہی چائے کی ٹرائی اندر لے کر آتی زیدہ نے اطلاع فراہم کی۔

"کیا زیادہ جل گیا ہے۔" حمیرا اور جرجیس بیک وقت اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے۔

"کوئی خاص نہیں جلا، ویسے میں نے دوا لگا دی ہے آپ لوگ بے فکر رہیں۔" بے نیازی سے بولتے اس نے انہیں مطمئن کیا۔

"آپ بیٹھیں آئی! چائے پکس میں ابھی اسے دیکھ کر آتا ہوں۔" جرجیس عبد اللہ نے حمیرا کو شانوں سے پکڑ کر واپس جگہ پر بٹھا دیا۔

"کیا ہوا اگر زوہا ہاتھ کیسے جلا لیا تم نے اپنا؟" اگلے ہی لمحے وہ کمرے میں موجود تھے۔

زوہا ہاتھ کوئی جواب دیے کم صم سی بیٹھی رہی۔ وہ خود ہی آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کا معائنہ کرنے لگے۔

"زیادہ پریشانی کی بات نہیں ایک دو دن میں صحیح ہو جائے گا۔" اس کے سے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے تسلی دی۔ لیکن یہ کیا۔ وہاں تو آنسو پوری روانی سے بہنے لگے تھے۔

"ارے میری بہادر بہن! اتنی سی تکلیف برداشت نہیں کر پار رہی۔" اسے خود سے لگاتے ہوئے انہوں نے بچوں کی طرح ہلانے کی کوشش کی تھی لیکن بجائے چپ ہونے کے اس کے آنسوؤں میں مزید شدت آئی۔

"کیا ہو گیا ہے گڑیا! کیا بہت زیادہ درد ہو رہا ہے؟" اب ان کے لہجے میں پریشانی در آئی تھی جسے محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر تادم سی ہو گئی۔ ان کی پریشانی کا ہی احساس تھا کہ اس نے فوری طور پر خود پر قابو پاتے ہوئے آنسو پونچھ ڈالے۔ ورنہ دل کی کیفیت تو اتنی دگرگوں ہو رہی تھی کہ دل چاہتا تھا ساری دنیا کو اپنے آنسوؤں میں ڈبو ڈالے۔

"ایسا کرو تم سو جاؤ۔" تھک بھی بہت گئی ہو گی۔ میں اتنی سے کہہ رہا ہوں کہ آج رات تم بیٹھیں رو کو گی۔"

اس کے بالوں میں محبت سے انگلیاں پھیرتے انہوں نے کہا تھا۔
 ”نہیں“ میں نہیں رکوں گی۔ مجھے گھر جانا ہے۔
 ”اس کی آواز لرز رہی تھی۔
 ”تم تو آج مجھے پریشان کرنے پر تلی ہوئی ہو لڑکی! بھلا یہاں رکھنے میں تمہیں کیا پریشانی ہے جو گھر کی یاد ستا رہی ہے؟“ انہوں نے پیار سے ڈنکا۔
 ”پلیز بھائی! آج چلنے دیں۔ پھر کسی دن آجاؤں گی۔“

اس کے لہجے میں التجا سی تھی۔ وہ باوجود چاہنے کے پھر دوبارہ اصرار نہ کر سکے۔ یوں بھی اس وقت انہیں اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی پن محسوس ہو رہا تھا۔ معمولی سا ہاتھ جھٹکنے پر تو وہ یوں ہلکان ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ یقیناً کسی اور بات نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ وہ ذہن میں قیاس کے گھوڑے دوڑاتے اس کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔



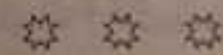
”اعتیاد سے کام نہیں کر سکتیں تم۔“ خفا خفا سی ایک آواز اس کے ذہن میں گونجی تو وہ بے ارادہ ہی اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگی۔ بروقت مرہم لگا دینے کی وجہ سے چھال تو نہیں بنا تھا لیکن جلد سرخ ہو رہی تھی وہ آہستہ آہستہ اس جھے کو اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے سسلانے لگی۔ اس کی انگلیوں نے وہاں پہلے سے موجود کسی کے پوروں کا لمس محسوس کیا۔

”تو یوں ہے ایسیس عبد اللہ تمہارا آخر مجھ سے ہاوس ہو ہی گئے۔“ رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی لیکن وہ عالم بے خودی میں بیٹھی اس کے لمس سے مخاطب تھی۔

”ظاہری زخم تو مرہم لگا دیا تمہارے لیکن وہ جو روح کی طرح جھلسی ہے اس کا علاج کیسے ہو گا۔“ جانتی تھی کہ شکوہ کرنے کی حد اڑ نہیں پھر بھی شکوہ کنایہ ”آخر تم کہاں تک میری بے رخی کو بردہ سکتے تھے۔“

تم نے تو راستہ بدلنا ہی تھا۔ پر کیا کرتی میں؟ اپنے اوپر لگے الزام کو دھونے کے لیے خون جگر ہی کی ضرورت تھی۔ سو میں نے یہ قربانی دے ڈالی۔ ”کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر کے اس نے سونے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا۔ لیکن پھر فوراً ہی اٹھ بیٹھی۔ آنکھوں کو برسوں سے عادت تھی بند ہوتے ہی کسی کی تصویر اپنے اندر سجالینے کی۔ اور اب بھی وہ اپنا معمول ترک کرنے کو تیار نہیں تھیں۔

”مجھے تو سونے کی اتنی جلدی ہی اس لیے ہوتی تھی کہ آنکھوں کے درپچے میں تمہیں سجا کر تم سے ملاقات کر سکوں۔ اب بھلا نیند کا کیا سوال۔“
 ہزار خود پر پھرے بٹھانے کے باوجود یہ واحد خواہش تھی جس سے دل کبھی دستبردار ہونے کو راضی نہ ہوا تھا۔ لیکن اب تو اس کی بھی گنجائش نہیں رہی تھی۔ بھلا پرانی چیزوں کے خواب کون اپنی آنکھوں میں سجاتا ہے۔ جب تک یہ احساس رہا کہ دوسرا شخص بھی اسی راستے کا مسافر ہے جس پر وہ خود چل رہی ہے۔ وہ آنکھیں بند کیے چلتی رہی۔ لیکن اب تو ہر حال یہ معمول ترک کرنا ہی تھا اور ہزار کوشش کرنے کے باوجود رت جگے اس کا مقدر بن گئے۔ ایسیس عبد اللہ کی جڑیں اس کے اندر اتنی گہرائی تک اترتی ہوئی ہیں کہ وہ بری طرح خود کو مجروح کر ڈالنے کے باوجود اسے اپنے اندر سے نکال پھینکنے میں کامیاب نہ ہو سکے گی یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔



مبشو کی گھر میں آمدورفت بہت زیادہ بڑھ چکی تھی۔ اکثر ایسیس کے ساتھ یونیورسٹی سے واپسی میں اور کبھی اکیلی ہی وہ چلی آتی تھی۔ اور جو کسی دن نہیں بھی آتی تو اس کا فون آجاتا یا پھر ایسیس اس کے گھر چلا جاتا۔ وہ دونوں کھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ اپنے پروجیکٹ کو ڈسکس کرنے سے لے کر نئی وی پروگرامز پر بھرے کرنے تک ان کے پاس بے شمار موضوعات تھے جن پر دونوں ہی بلا لگانے

بولنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ مبشو کے بارے میں تو خیر نیا اور جرجیس عبد اللہ اندازہ لگا ہی چکے تھے کہ وہ بلا کی باتوں لڑکی ہے لیکن ایسیس پتہ نہیں کیسے اب اس قدر باتیں کرنے لگا تھا۔

دن بہ دن مبشو سے بڑھتی اس کی دوستی اور زوہا کی آنکھوں میں پھیلتی دیرانیوں نے جرجیس عبد اللہ کو بے چین کر دیا تھا۔ دوسری طرف نیا بھی اپنی جگہ حیران تھی۔ جرجیس سے تو اس نے ہمیشہ یہی سنا تھا کہ ایسیس زوہا کا دیوانہ ہے لیکن یہاں تو کچھ اور ہی حالات دکھائی دے رہے تھے۔ کوئی لڑکی یونہی صرف دوستی میں تو کسی لڑکے سے اتنی فری نہیں ہو سکتی تھی۔ اتنی بے قراری تو صرف ایک خاص تعلق ہی کی بنا پر دیکھنے میں آتی تھی لیکن جہاں بقول جرجیس کہ یہ خاص تعلق جڑا ہوا تھا وہاں سے ایسی کوئی شنید نہیں ملتی تھی۔ بلکہ اچھا خاصا سرد مہر اور اجنبی سا رویہ تھا زوہا اور ایسیس کے درمیان۔ جہاں نیا محبت کی اس عجیب و غریب قسم کو سمجھنے کی کوشش میں اب بھی تھی وہیں جرجیس عبد اللہ کا اضطراب بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

مبشو کی وارفتگی اور زوہا کا گریز دونوں ہی ان کے سامنے تھے۔ وہ ایسیس سے پوچھ گچھ کرتے بھی تو آخر کس بنیاد پر۔



”زوہا! میں ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ نیا بھی میرے ساتھ ہی جا رہی ہے۔ آج اس کا چیک اپ کروانا ہے۔ بارہ بجے سے پہلے میں اسے والپس چھوڑ جاؤں گا۔ ایسیس سو رہا ہے اگر ہمارے آنے سے پہلے اٹھ جائے تو پلینز اسے ناشتے کے لیے پوچھ لینا۔“
 جلدی جلدی چائے کے گھونٹ حلق سے اتارتے جرجیس عبد اللہ اپنے سامنے بیٹھی زوہا سے کہہ رہے تھے جبکہ نیا بھا بھی بڑے سے دوپٹے کو اپنے گرد لپیٹے ان کے بائیں جانب کھڑی تھیں۔ ان کے سر آپے میں واضح تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں جو ڈھیلے ڈھالے لباس کے باوجود بھی نمایاں تھیں۔

”اوکے“ اللہ حافظ۔ مجھ سے تو اب تم شام کو ہی مل سکو گی۔ نیا بھا بھی ایک پیاری سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھلتے ہوئے ان کے پیچھے چل رہی تھیں۔

”جرجیس بھائی بے چارے خواہ مخواہ ہی مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہیں۔ وہ دیکھ جو میں نے خود اپنی تقدیر میں لکھا ہے بھلا میں کیسے اس کا دکھڑا ان کے آگے رو سکتی ہوں۔“

ان کا گریزاں سے مزید دکھی کر رہا تھا۔ رات جب سے اس نے ان کی نیا بھا بھی کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنی تھی اس کے دل میں ان کی محبت میں پہلے سے بھی بڑھ کر اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ صرف اس کی خاطر اپنے گئے بھائی سے خفا تھے۔ جبکہ اس بے چارے کا بھی اتنا قصور نہیں تھا۔

”بھائی اور بھا بھی کہاں گئے ہیں۔“ ایسیس بالوں کو انگلیوں کی مدد سے سنوارتا بستر سے اٹھ کر سیدھا ڈاکٹنگ ٹیبل تک چلا آیا۔

”بھائی کی تو ڈیوٹی ہے آج مارٹک شفٹ میں اور بھا بھی کو چیک اپ کروانا تھا اپنا اس لیے بھائی کے ساتھ وہ بھی چلی گئی ہیں۔ تم فریش ہو جاؤ تو میں تمہارے لیے ناشتہ بنا دیتی ہوں۔“

”نہیں تم رہنے دو ناشتہ ابھی میرا موڈ نہیں ہے۔“ اسے انکار کرتے ہوئے وہ ٹیلیفون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا

”ہیلو۔ مبشو کیسی ہو۔“ اس کی آواز بخوبی زوہا کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

”میں ابھی ابھی سو کر اٹھا ہوں“ بھائی بھا بھی گھر پر نہیں ہیں ایسا کرو تم جلدی سے یہاں آ جاؤ۔ یونیورسٹی کی تو چٹھی ہے ہی۔ تم آج کا دن یہاں گزارنا۔ دونوں مل کر باتیں بھی کریں گے اور کچھ کام بھی ہو جائے گا۔“ اس کا اصرار کرتا جملہ برتن سمیٹ کر باہر نکلتی زوہا کے کانوں سے ٹکرایا۔

اور پچ آوے گھٹنے کے بعد مبشو وہیں سہوہو تھی۔ ایسیس بھی اس دوران فریش ہو چکا تھا۔
 ”اوہ ایسیس! تم تو اس سوٹ میں بالکل پرفیکٹ لگ

ہو رہے ہو۔ ہیشو نے ندیا کے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔ اسی اپنی تعریف پر دھیرے سے مسکرایا اور پھر بولا۔

”لگتا تو تم بھی کسی پرنسز سے کم نہیں رہی ہو لیکن آج میرا مہر تمہارے ہاتھ سے تیار کیا گیا نا۔ تم نے کو چاہا رہا ہے اب اگر کہیں میں بھیجوں گا تو تمہارا بچا جاسوت خراب ہونے کا ڈر ہے۔“

”تمہاری فرمائش کے آگے ہزار بارہ سو کے سوت کی کیا قیمت میں ابھی نا۔ تیار کر لی ہوں۔ وہ بھی اسٹیشنل قسم کا لاہوری نا۔“ اپنے کھٹ لگے قیمتی پتھن کے سوت کی پروا کیے بغیر وہ بے تکلفی سے کہنے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”تم نے خواہو تو انہیں زحمت دی اسیں! میں تیار کر دیتی نا۔“ اچھا لگتا ہے کیا مسلمان سے اس طرح کام کرواؤ۔“ اب تک ان کے درمیان خاموشی سے موجود وہاں اسیں پر بگڑی تھی۔

”تم بھی تو یہاں مسلمان ہی ہو۔ اگر تم ایک دن کے لیے یہاں آکر مل کے کام سنبھال سکتی ہو تو ہیشو کو تو بہر حال عیش کے لیے یہاں رہنا ہے۔ مہتر ہے وہ ابھی سے علوی ہو جائے۔“

اسی کے جواب نے اسے مزید کچھ کہنے کے لائق نہیں چھوڑا تھا۔

”یہ ڈیڈی اس وقت گھر میں کیسے موجود ہیں!“ ڈرائنگ روم سے آئی توانوں پر اس نے تمہارا پوچھا۔ وہ ابھی ابھی یونیورسٹی سے آئی تھی اور خلاف معمول اس وقت ڈیڈی کی گھر میں موجودی پر حیرت زدہ تھی۔

”تم بیک و فوروارد کر ڈرائنگ روم میں تو کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ ان کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔

”کیا ہے ملا! کون آیا ہے جو آپ اتنی خوش ہیں؟“ وہ بولی۔

”میں نہیں بتاؤں گی“ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔ بہت زبردست سر پرانز ہے۔“ می اس کے تجسس کو مزید ہوا دے رہی تھیں۔

وہ جلدی سے بیک اور فائل جگہ پر رکھ کر چہرے پر پانی کے دو چار جھٹکے مار کر دوشہ سلیٹے سے اوڑھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ لیکن وہاں موجود دونوں چہرے اس کے لیے بالکل اجنبی تھے۔

”رک کیوں نہیں زوہا بیٹا! اندر آؤ اور پچھانو کہ یہ کون لوگ ہیں۔“ ڈیڈی کی آواز میں یہ سرشاری اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ بغور ان لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔ ایک تو چوبیس سالہ ہینڈسم سا لڑکا تھا جو اس کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے مسکرا رہا تھا۔ جبکہ دوسرے صاحب کافی پیچیدہ اور گریس فل سے تھے۔ جن کی کینٹی پر موجود اکاؤنٹنٹ بال ان کی جائزیت میں اضافہ کر رہے تھے۔ ان کی نگاہوں کا تاثر بھی برا نرم اور شفیق سا تھا۔

زوہا کو غور کرنے پر یہ چہرہ کچھ شناسا محسوس ہوا۔ لیکن وہ ماضی کی گرد میں دبے اس چہرے کو شناخت نہ کر سکی۔

”آتی چھوٹی سی تو تھی یہ لاہور سے آئے وقت مہلا اسے کہاں ہم لوگ یاد ہو سکتے ہیں۔ آپ نے خواہ مخواہ بچی کو ابھرن میں ڈال دیا۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلے آئے۔ زوہا کے ذہن میں ان کے الفاظ سے ایک جھماکا سا ہوا۔

”حافظ چاچو!“ اگلے ہی پل وہ جوش سے چلاتی ان کے سینے سے جا لگی۔ انہوں نے بھی پوری وارفتگی کے ساتھ اس کو پیار کیا۔

”گنتی بڑی ہو گئی ہے یہ بھابھی جان! مجھے تو ابھی تک وہی بالوں کی پونی ٹیل بنا کر فراک پہنے ادھر ادھر گھومتی زوہا ہی یاد ہے۔“

”یہ تو کچھ نہیں ہے حافظ! مامی نے تو اس سے بھی اچھا تھکا تھکا نکالا ہے۔ دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ وہ تو زوہا سے بڑی لگتی ہے دیکھنے میں۔“ ماما نے ان کی حیرت پر مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے ہاں! وہ بھی تو تھی شرارتی ملی۔ کہاں ہے ابھی تک ملی نہیں مجھ سے؟“ حافظ حمید کو چھوٹی سی کاجیال آیا۔

”کلج گئی ہوئی ہے۔ آج اس کا فزکس کا پریکٹیکل ہونا ہے اس لیے گھر آنے میں دیر ہو جائے گی۔ ماما نے اطلاع فراہم کی۔“

”زوہا! بیٹا کیا چاچو سے ہی لگی کھڑی رہو گی۔ یہ غیب بھی تو یہاں موجود ہے کیا اس سے ملنے کا ارادہ نہیں ہے۔“ ڈیڈی نے اسے ٹوکا تو وہ جھینپ کر غیب کی طرف متوجہ ہوئی۔

”میری غیب! کیسے ہیں آپ۔ چاچو سے ملنے کی خوشی میں مجھے آپ کا دھیان ہی نہیں رہا۔“

”کوئی بات نہیں میں سمجھ رہا ہوں آپ کی کیفیت کو، خوشی میں انسان ایسا ہی ہو جاتا ہے۔“ اس نے شائستگی سے کہا۔

”ڈیڈی! یہ لوگ آپ کو ملے کیسے؟“ وہ بڑے تجسس سے پوچھ رہی تھی۔

”میری ہی فرم میں جاب کر رہا ہے غیب۔ اتفاق ہی ہے کہ ایک سینے سے زیادہ وقت گزر جانے کے باوجود ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ تو آج حافظ سے لفٹ میں ملے بغیر ہو گئی تو مجھے بتا چلا یہ کسی کام سے کراچی آیا تھا تو غیب سے ملنے آفس چلا آیا اور قسمت کی خوبی دیکھو کہ مجھ سے ملاقات ہو گئی۔“ وہ خوشی خوشی تفصیلات شمار رہے تھے۔

”ہم کوئی دوسرے سیارے پر تو نہیں رہ رہے تھے بھائی جان! اگر آپ چاہتے تو ملنے آسکتے تھے۔ لیکن آپ تو ایسے روٹھے کہ پلٹ کر دوبارہ ہماری طرف دیکھا ہی نہیں۔“ حافظ حمید کے لبوں سے شکوہ پھسلا۔

”کس کے لیے آتا میں وہاں جب سگی ماں ہی کو میری پروا نہیں تھی۔“ ان کی آواز میں گہرا رنج تھا۔

”اب وہ پہلی سی بات نہیں رہی بھائی جان! پچھلے دو چار سال سے اماں کے مزاج میں کافی تبدیلی آگئی ہے۔ اکثر آپ کو یاد کرتی ہیں لیکن بہر حال رتبہ تو ان کا ہی بڑا ہے اس لیے خود آپ سے رابطہ کرنے کے بجائے

آپ کی منتظر ہیں۔“

”حافظ ٹھیک کہہ رہا ہے ملا! ہمیں ہی اماں کے پاس جانا چاہیے۔ آخر وہ ہماری بزرگ ہیں۔ وہ ہمارے سامنے بیٹھیں یہ اچھا تو نہیں لگے گا۔“ حمیرا نے فوراً ہی ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”مفتخک بوجھا بھی! آپ واقعی بہت اچھی ہیں۔ پتہ نہیں کیوں اماں نے آپ کی قدر نہیں کی۔“ وہ ان کی اعلا نظری پر مشکور ہوئے۔

”ایک بات سوچ رہی تھی میں زوہا! اگر وہیں تک رہے بیڈ پر بیٹھی ماما نے کسی پورٹر پر مصروف زوہا کو مخاطب کیا۔

”کون سی بات؟“ زوہا نے مانیٹر پر سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

”یہی کہ یہ جوانے حافظ چاچو ہیں ان کی شادی ابھی تک کیوں نہیں ہوئی۔ حالانکہ اتنے خاصے ہینڈسم ہیں۔ جاب بھی بہت اچھی ہے اتنے زبردست شخص کو کوئی اچھی لڑکی نہ ٹھکرائے یہ تو بڑے عجیب کی بات ہے۔“

”ٹھکرائی تھی اچھی لڑکی! لیکن حسب معمول وادی صاحبہ راضی نہیں ہوئیں۔ پتہ نہیں کیوں انہیں پیٹوں کی پسند کبھی پسند نہیں آئی۔“ زوہا کے انداز میں تلخی تھی۔

”نہیں کیسے پتہ چلا اس بارے میں؟“ ماما سارا قصہ سننے کے لیے بے چین تھی۔

”ماما نے پوچھا تھا ان سے۔ اس وقت میں وہیں بیٹھی تھی۔ اس لیے میں نے بھی ساری داستان سن لی۔ کوئی آفس کولیک تھیں ان کی صہبا ہم تھا۔ چاچو نے وادی سے ان کے متعلق بات کی تو وہ راضی نہیں ہوئیں۔ چاچو ڈیڈی اور ماما کی زندگی سے سبق سیکھ کر بیٹھے تھے اس لیے ڈیڈی کی طرح دھمکیاں دے کر وادی کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن پھر کسی دوسری لڑکی سے شادی کے لیے بھی راضی نہیں

ہوئے۔ کافی طویل وقت گزرنے کے بعد داوی کا دل
چسپا اور انہوں نے خود سہا کے لیے رشتہ لے جانے
کی آفر چاہو کو دی۔ لیکن اس دوران ان کی شادی
ہو چکی تھی۔
”ہماری داوی محترمہ پنجابی فلموں کے ولن کی
طرح تھیں ہیں زہرا جب دیکھو ہیرو ہیروئن کو جدا
کرنے پر تیار رہتی ہیں۔“ ملا کا داوی پر کیا کیا بھروسہ
کر رہا کو بے اختیار ہی آگئی۔
”خیریت خواتین! کس پلٹ پر ہنس جا رہا ہے؟“
غیب دروازے پر دستک دے کر اچانک ہی اندر آگئے
تھے۔

”کچھ نہیں غیب بھائی! ہم لوگ ایسے ہی آپس میں
ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ آپ آئے۔“ ملا نے جلدی
سے بیڈ کے قریب بڑی کرسی پیش کی تھی۔
”تب لوگ میری وجہ سے دستبرداشت نہیں ہوں
گے۔ اصل میں مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ آپ کے
کمرے کی لائٹ جلتی دیکھی تو یہاں چلا آیا کہ کپ
شب میں تھوڑا وقت گزر جائے گا۔“
”یعنی آپ کو بھی زہرا کی طرح راتوں کو جانے کی
تجربہ ہے۔ آپ ایسا کیجئے اس سے دوستی کر لیں خوب
گنہگار کی جب مل نہیں گئے ”شب پسند“۔“
”مجھے راتوں کو جانے کی بیماری نہیں ہے لیکن
اچانک ہی اگر سونے کی جگہ تبدیل ہو جائے تو نیند
اڑ جاتی ہے۔“ اس نے وضاحت کی۔

طارق اور حمیرا کے اصرار پر آج وہ اور حائق یہیں
رک گئے تھے۔

”آپ ہر ایک اند میں گزارا کیجئے گا غیب بھائی!
ہم سب مل کر تمہیں گھونٹنے چلا کریں گے۔ ایسی
بھائی اور چرچیں بھائی کو بھی ملو الیا کریں گے۔“ پرامزا
آتا ہے ان لوگوں کے ساتھ۔ ”ملا بے حد جذباتی
ہو رہی تھی۔“

”کیوں نہیں؟ ضرور چلیں گے لیکن اس ایک اینڈ
کے بعد سے اس دفعہ تو ہم لوگ طارق چاہو اور چاہی
گو لے کر لاہور جا رہے ہیں داوی سے ملانے کے

”اور اماں! یہ کیا نا انصافی ہے! آپ اپنے بیٹے ہو
میں کھو کر میری اتنی پیاری بیٹیوں سے ملنا بھول
گئیں۔“ حائق نے اماں کی توجہ زہرا اور ملا کی طرف
مبذول کروائی تھی۔
”ارے میں کیسے انہیں بھول سکتی ہوں؟ یہ تو
برسوں سے میرے دل میں بس رہی ہیں، آؤ میری بیٹیو!
میرے گلے لگ جاؤ۔“ انہوں نے اپنی بائیں دونوں
کے لیے داوی تھیں۔



”ملا ٹھیک کہہ رہی تھی، تمہیں تو واقعی لگتا ہے
راتوں کو جانے کی بیماری ہے۔“ لان میں بیٹھی زہرا کو
پچھنے سے آتی غیب کی آواز نے چونکا دیا۔ شب خوانی کا
آرام وہ لباس پہنے وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے عین
اس کی پشت پر کھڑا تھا۔

”مجھے تو خیر راتوں کو جانے کی بیماری ہے، لیکن آپ
کیوں ابھی تک جاگ رہے ہیں جبکہ یہ تو آپ کا اپنا گھر
ہے! اجنبی جگہ ہونے کا شکوہ بھی آپ نہیں کر سکتے۔“
حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے اس نے بات کا رخ اس
کی طرف موڑ دیا تھا۔

”ہے تو ویسے خلاف معمول بات لیکن پتا نہیں
کیسے اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دوبارہ سونے کی
کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی۔ ایسے ہی وقت گزار
کے لیے میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے نیچے لان کا نظارہ
کرنے لگا تو نظر تم پر پڑ گئی۔ میں نے سوچا اکیلے پور
ہونے کے بجائے تمہارے ساتھ کپ شب کر لی
جائے۔“ وہ اطمینان سے اس کے قریب ہی بیٹھتے
ہوئے بولا۔ جبکہ زہرا کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

ایسی جگہ جہاں کے لوگوں کے مزاج سے وہ پوری طرح
واقف نہیں تھی اتنی رات گئے ایک لڑکے کے ساتھ
غنائیٹھنا کچھ معیوب سالک رہا تھا۔ لیکن فوراً ”ہی انھ
کر بھی نہیں جاسکتی تھی کہ یہ خلاف تہذیب تھا۔ بس
خاموشی سے بیٹھی اپنے ناخنوں سے کھیاتی رہی۔

”میرے خیال میں یہاں تمہیں ایڈجسٹ ہونے

میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی۔ غیب اور مجیب تو
بالکل بھی کسی کو پور نہیں ہونے دیتے۔ البتہ تمہی کا
تھوڑا سا مسئلہ ہے اس کے لیے میں پہلے ہی تم سے
ایک سیو ذکر لیتا ہوں۔ کیونکہ ہر حال انسان کا اپنے
والدین پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔“ خاموشی کو توڑتے
ہوئے اس نے از خود ہی گفتگو شروع کر دی تھی۔

”آپ بیکار میں پریشان ہو رہے ہیں میں مائی جان
کے مزاج کو سمجھ سکتی ہوں، ہم لوگوں کے لیے تو اتنا ہی
کافی ہے کہ انہوں نے ہماری یہاں آمد پر کوئی اعتراض
نہیں کیا۔ باقی رویوں کی تھوڑی بہت اونچ نیچ تو
برداشت ہو ہی جاتی ہے۔“

وہ نہایت تہذیب سے کہہ رہی تھی۔ غیب
خاموشی سے اس کا چہرہ تکتے لگا۔ وہی مخصوص نرم
و ملائم سا تاثر جو ہر وقت حمیرا کے چہرے پر موجود رہتا تھا
وہاں بھی چھایا ہوا تھا۔ برے رویوں کو خاموشی اور صبر
سے برداشت کر لینے کا وصف یقیناً ”اس نے اپنی ماں
ہی سے لیا تھا۔“

”ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا سہل ہو گا۔“
اپنے ذہن میں ابھرتے خیال نے اس کی نظر کا زاویہ بدلا
اور وہ کچھ مختلف انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میرا خیال ہے اب چل کر سو جانا چاہیے۔ ویسے
بھی فضا میں کچھ خنکی سی محسوس ہو رہی ہے۔“ اس کی
حیات نے بہت تیزی سے کسی تبدیلی کو محسوس کیا تھا
اور وہ گھبرا کر اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”لگتا ہے اپنے رتبہ جگہوں کی بیماری محترمہ مجھے لگا
جائیں گی۔“ دل ہی دل میں سوچتا وہ اپنے آپ سے
مسکرایا تھا۔



”آج کل تمہاری دوست مہشو نہیں آرہی یہاں
خیریت تو ہے کوئی فون وغیرہ بھی نہیں آیا اس کا۔“
”ہاں، میں اپنے قریب ہی اسٹول پر اٹھنے اٹھنے سے
بیٹھ رہی ہوں۔“ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آج کل کچھ مصروف ہے وہ اس لیے یہاں نہیں

آتی تو کیا کوئی کام تھا اس سے؟ اس کا لہجہ کچھ
تذکرہ سا تھا۔
”میں سمجھا مجھے اس سے کیا کام ہوگا وہ تو تمہاری
بی بی شام نہیں ہوتی اس کے بغیر اس لیے پوچھ رہی
تھی۔“ انہوں نے لڑکوں کو ایک کے آئینے میں ملایا
تھا۔

”یہ آئی ہیں! پورا جاؤ تمک مٹی ہیں چاروں کا کہہ
کر گئے تھے وہ لوگ! اور آج چھٹا دن ہے ابھی تک
واپسی نہیں آئے۔ زوہا اور ملہا کو بھی کچھ خیال نہیں
ہے کہ اسٹڈیز کا راج ہو رہا ہے۔“ کیا بھابھی کے جملے پر
کوئی رد عمل ظاہر کیے بغیر وہ الگ سی مسئلے میں الجھا ہوا
تھا۔ نیانے کچھ چوتھ کر اس کی پریشانی کو نوٹ کیا اور پھر
ایک خوشگوار سی حیرت کے ساتھ بولیں۔

”اتنے عرصہ بعد اپنے دو خیال والوں سے ملے ہیں
وہ لوگ۔ ظاہر ہے اتنی جلدی تو واپس آنے کا دل نہیں
چاہ رہا ہوگا۔ بے بھی حلق چاہو اور منب کو دیکھ کر لگتا
ہے کہ بی بی اچھی گیدرنگ مل گئی ہوگی ان لوگوں کو
وہاں۔“

”ہونہ اچھی گیدرنگ! آپ تو نئی ہیں اس لیے
آپ کو کیا پتا کہ کتنے فضول لوگ ہیں وہ۔ آئی کی زندگی کا
سکون نہیں لیا تھا ان لوگوں نے یہ تو اتنی ہی کا حوصلہ
ہے کہ وہاں ان سے حلق جوڑنے پر راضی
ہو گئیں۔“ نیا کی زبان سے ان لوگوں کے لیے تحریفی
الفاظ سن کر اسے پتے لگ گئے تھے۔ ”وقت بیش ایک
ما تھوڑا ہی رہتا ہے۔ بدلتے وقت کے ساتھ لوگوں
کے رویے بھی بدل جاتے ہیں۔ اور تک جزیشن تو
ویسے ہی بدی روشن خیال ہے اب فیب کو ہی دیکھ کو
کتنا سکھا ہوا اور محبت کرنے والا لڑکا ہے مجھے یقین
ہے زوہا اور ملہا ان لوگوں کے ساتھ بھرپور انجوائے
کر رہی ہوں گی۔“ کیا بھابھی نے ذرا ان کا ذکر کیا۔

”انجوائے کرنے کے لیے ساری عمر رہی ہے میں
آج ہی آئی کو فون کرتا ہوں کہ خود چاہے جتنے دن
میں چاہے تو ملہا کو بھی روک لیں لیکن زوہا کو واپس
لے آئے۔“ انہوں نے یہ دیکھ کر ہنسی سے کوئی بچوں

کا کھیل تو ہے نہیں۔“
دل کی بے چینی کسی نہ کسی طرح زبان پر آئی مٹی
تھی۔ نیا کا دل چاہا خوب زور سے قہقہہ لگائیں۔ اسنے
دونوں سے مشورے کے ساتھ انوالو منٹ کا ڈھونگ رچا کر وہ
ان لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا اور اب
خود سے اس کی ذرا سی دوری بھی برداشت نہیں
ہو پار رہی تھی۔

”اماں! اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔“
حمیرا نے کچھ جھجکتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔
”کو بیٹا! اجازت لینے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔“
انہوں نے کہہ۔

”اماں! میں چاہ رہی تھی کہ اب حلق کو بھی لائن پر
لگاویں۔ آخر کب تک وہ یوں تنہا زندگی گزارتا رہے
گا۔“

”وہاں تو کرے میں کھڑے کھڑے اس کی بارات
لے جاؤں لیکن ریاضی ہی نہیں ہوتا وہ شادی کے
لیے غلطی میری تھی اور روگ میرے بچے کی جان کو
لگ گیا۔“ انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے
جواب دیا تھا۔

”قدرت نے آپ کو اس غلطی کی تلافی کا موقع دیا
ہے اماں! آپ چاہیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتی
ہیں۔“ حمیرا کی بات پر انہوں نے استفہامیہ نظروں
سے ان کی طرف دیکھا۔

”زوہا بتا رہی تھی مجھے کہ کل ریسٹورنٹ میں ان
لوگوں کی ملاقات صہبا سے ہوئی تھی۔ صہبا آج
پاکستان میں ہی ہے۔ اس کے شوہر کا الیکسیملنٹ میں
انتقال ہو گیا ہے۔ اب وہ ایک بچے کے ساتھ اکیلی ہی
ہے اور جاب کرتی ہے۔“ اماں نے ہر بات بڑی توجہ
سے سنی بچے کے بارے میں جان کر تھوڑا سا
محترض ہوئیں۔

”لوگ کیا کہیں گے ہوا کہ انہیں کوئی کنواری لڑکی
نہیں ملی جو ایک بیوہ اور وہ بھی ایک بیوے کی ماں کو بیاہ

کر لے آئے۔“

”لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں اماں! لوگوں کو تو ہر
بات پر ہی اعتراض ہوتا ہے، ہمیں تو حلق کی خوشی کی
فکر کرنی چاہیے۔ مجھے بھی پتا ہے اور آپ کو بھی کہ
اسے اب بھی ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی ہے
لیکن اصل اہمیت تو اس کے دل کی خوشی کی ہے جب
قدرت اسے موقع دے رہی ہے تو ہمیں اس کی
خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ کھڑی نہیں کرنا چاہیے۔“

یہ حلق سے بڑی آسپہ بھی جس کے مزاج کی
ساری تنہی قسمت کے پیچیدوں نے نکال دی تھی۔
حمیرا کی زندگی کو اجیران بنانے اور اماں سے صہبا کے لیے
انکار کھلانے میں اس کا ہاتھ سب سے زیادہ تھا۔ وہ جو
بیکے میں ناک پر کھنٹی نہ بیٹھنے دیتی تھی۔ اس وقت کچھ
نہ کر سکی جب شادی کے آٹھ سال بعد تک بھی اولاد نہ
ہونے پر اس کی ساس نے اس کے میاں کی دوسری
شادی کروادی۔ میاں جو آٹھ سال تک اس کے نام کی
ملا جیتے رہے تھے اور ہر کام اس کی منشا کے مطابق انجام
دیتے رہے تھے دوسری بیوی اور اس سے ملنے والی
اولاد میں ایسا کھوئے کہ آسپہ کا جو وہی فراموش کر ڈالا۔
اب آسپہ کی گراہتی پر سو کن اور اس کے بچوں کا راج
تھا۔ اس کی حیثیت معزول ملکہ کی طرح تھی جس کے
ادکامات بجالانے والا کوئی نہ تھا۔ برسوں کی اس اذیت
کو سنے سے بالآخر آسپہ کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ جو لوگ
”برسوں کی زندگی کو مشکل بناتے ہیں“ خدا ان کے
فیص میں بھی آسانیاں نہیں لکھتا۔

”آج آج شام تیار رہیے گا بھابھی جان! ہم آج
صہبا کے گھر چلیں گے کل تو آپ کو واپس کراچی چلے
جانا ہے اس لیے میرے خیال میں آج ہی اس ٹیک
کام کو انجام دے دینا چاہیے۔“ آسپہ نے فیصلہ سنایا
تھا۔

”ٹھیک ہے ایسا ہی کیے لیتے ہیں۔ ویسے بھی اب
میرے لیے مزید یہاں رکنا ممکن نہیں۔ نیا کی فکر کرنی
ہوئی ہے اس کی ڈیوری کے دن قریب ہیں اکیلی گھبرا
رہی ہوگی۔ اس کے والدین بھی سعودی عرب گئے

ہوئے ہیں، گئے تو صرف عمر کرنے کے خیال سے تھے
لیکن اب فون کر کے کہہ دیا ہے کہ سچ کر کے ہی آئیں
گے میرے بھروسے پر نیانے اپنی امی کو بے فکر رہنے
کے لیے کہہ دیا ہے۔ اب اگر میں بروقت وہاں موجود
نہیں ہوتی تو بچی کا دل برا ہوگا اور پھر زوہا اور ملہا کی پریشانی
کا حرج بھی ہو رہا ہے۔ آسپہ روزانہ فون کر کر کے مجھے
احساس دلاتا ہے، کل تو بہت ہی غصے میں تھا کہ کہہ رہا
تھا کہ اگر آپ کل تک واپس نہ آئیں تو میں خود آپ کو
لینے لاہور پہنچ جاؤں گا۔“ آخر میں آسپہ کی دھمکی کا
بتاتے ہوئے حمیرا ہنس پڑیں۔

”میں سمجھتی ہوں بھابھی جان! بس آج یہ ضروری
کام آپ کے ہاتھوں انجام پا جائے تو پھر آپ کو
رخصت کی اجازت ہے۔“ آسپہ نے کہہ۔
”آسپہ! بھابھی بیگم سے بھی ساتھ چلنے کے لیے
کہہ دینا وہ بڑی ہیں ان کی موجودگی بہت ضروری ہوگی
اس موقع پر۔“ حمیرا نے انہیں دھیان دلا دیا تو آسپہ اماں
کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

”ماشاء اللہ حمیرا! تمہاری بیٹیاں بڑی سکھڑ اور باحیا
ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے جیسی اولاد نصیب
کرے۔“ نیا بھابھی کو تنکیوں کے سہارے بٹھا کر
سوپ پلاتی زوہا کو ممائی کا جملہ سن کر حیرت کا شدید جھٹکا
لگا تھا۔ اس کے خیال میں یا تو اس کی سماعت ٹھیک
طرح سے کام نہیں کر رہی تھی یا پھر ممائی ہی کے دلغ
پر کوئی اثر ہو گیا تھا جو وہ ان بہنوں سے انڈی دشمنی
بھلائے ان کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

نیا بھابھی نے اس کی کیفیت کو بخوبی نوٹ کیا اور پھر
اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے دبا کر جیسے ممائی کے جملے
کی یقین دہانی کروائی۔ گزری رات وہ ایک خوبصورت
گول گوتھنے سے بیٹے کی ماں بنی تھیں۔ سب ہی لوگ
اس خوشخبری کو سن کر نہایت مسرور تھے خصوصاً زوہا
تو بڑھ چکی تھی۔ نیا کا بیٹا کر کے اتنا خوش تھی۔

”بھابھی! یہ ممائی کو کیا ہو گیا ہے؟ ابھی کچھ دیر

ملے جاتے جاتے وہ بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر مٹی میں چھپا چھپاتے تشویش ہونے لگی تھی۔
 "میں اپنی جگہ پر کھڑی ہوں گی۔" وہ کہتی ہے۔ ہر وقت وہ سر پر بستان طرازی کرتی رہتی تھی۔ اللہ نے ان کا کہا ہر حال ان کے سامنے ہی لا رکھا۔ لاڈلی رانیہ بیگم نے اپنے کسی اور عزیز عمر پر ویسے سے کورٹ میں کرلی۔ مملاتی جو وہ بڑے کرلی تھیں کہ خاندان سے باہر لڑکی نہیں دینا کی سوجھ بوجھ کو کہیں۔ "جرجیس کے جواب نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔"

"اللہ کسی کے کردار پر پتہ چڑھا چلائے اور دل آزاری کرنے کی سزا دیوں بھی دے ڈالتا ہے۔ حیرا کی پسند کی شادی کو کتنا بڑا ایثار بنایا تھا انہوں نے بلکہ ابھی تک سانس کو طے دیتی تھیں مینی کی من مانی میں اس کا ساتھ دینے پر لیکن آج ثابت ہو گیا تھا کہ اگر جوانی کے منہ زور دے لے کو قدر سے قابو کرنے کے بجائے زبردستی سے کلم لیا جائے تو یہ اپنے ساتھ خاندانی نجابت اور عزت کی دستار بھی ہٹا کر لے جاتا ہے۔"

"یہ ایسی کہانیاں رہ گئیں وہ سہمیں اہل کو گھر چھوڑنے گیا تھا" واپس پلٹ کر نہیں آیا۔ میرا ارادہ تھا اس کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے گھر جانے کا۔ ذرا فٹیش ہو کر واپس یہاں آؤں گی۔" بڑی دیر سے خاموش بیٹھی حیرا نے ماحول پر چھائی خاموشی کو توڑا تھا ورنہ جرجیس کے کیسے گئے انکشاف پر تو وہ لوگ کوئی تبصرو کرنے کے قائل بھی نہیں رہے تھے۔ مملاتی چاہے جیسی بھی تھیں رانیہ خاندان کی لڑکی تھی جس کے غلط اقدام نے سب ہی کو افسوس میں مبتلا کر دیا تھا۔

"میں نے چننا ہوں آپ کو آئی! ایسی تو مشکل ہی ہے کہ اب واپس یہاں آئے۔ اصل میں میں نے اسے حقیقت کے انتظامات کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ حقیقتاً ہی میں مصروف ہو گیا۔ میرا ارادہ ہے کہ سات دن کے اندر ہی اس فرض کو انجام دے لیا جائے ورنہ بعد میں تو اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ صرف ایک فارملٹی ہی ہوتی ہے جسے سب

بھالتے ہیں۔" جرجیس نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اسے بارے میں بتایا تھا۔
 "چلو ٹھیک ہے پھر تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔ میری غیر موجودگی میں یہ دونوں بہنیں یہاں رہیں گی۔ بعد میں جب طارق مجھے چھوڑنے آئیں گے تو انہیں لے جائیں گے۔" حمیرا اپنا پرس سنبھالتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہیلو چاچو! السلام علیکم۔ کیا حال ہے؟"
 "جی ہاں! میں بالکل خیریت سے ہوں۔ سب گھر والے بھی ٹھیک ٹھاک ہیں۔ فیصل بھی اکثر شام کو آجاتا ہے، ہم لوگوں سے ملنے۔ بہت انجوائے کرتے ہیں ہم لوگ اس کے ساتھ۔"

کارڈ لیس ہاتھ میں پکڑے حاذق سے بات کرتی زوبا کے منہ سے فیصل کا ذکر سن کر اسیس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی یہاں آیا تھا۔ ماما پچن میں اس کے لیے چائے بنا رہی تھی جبکہ حمیرا آتی نماز میں مصروف تھیں۔ فون کی بیل پر زوبانے کال ریسیو کی تھی اور دوسری طرف سے حاذق کی آواز سن کر بڑے جوش و خروش سے بات کر رہی تھی۔

"لاہور تو ابھی آنا ممکن نہیں، پہلے ہی بہت پشیمانی ہو چکی ہیں۔ سمسٹر مکمل ہو جائے تو پھر آؤں گی بلکہ ایسا ہے کہ تم ہی بتا رہی تھیں کہ صہبا جی اور ان کے گھر والے دادی اور پھوپھو کی خوب جوتیاں گھسانے کے بعد اب راضی ہو گئے ہیں تو ایسا کیجئے آپ شادی کی ڈیٹ فکس کر لیجئے۔ ہم لوگ پھر بہت سارے دنوں کے لیے وہاں آئیں گے۔ فیصل نے بھی آپ کی شادی کے لیے خوب ڈھیر سارے پلانز بنا رکھے ہیں۔ میں وہاں آؤں گی تو آپ کو بتاؤں گی۔"

"کیا فیصل کے ذکر کے بغیر اس کی بات مکمل نہیں ہو سکتی۔" اسیس نے ہاتھ میں پکڑا میگزین غصے سے نیپل پر پٹخا۔ زوبانے اس کے انداز پر چونک کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ فون پر مصروف

ہوئی۔

"ایسا کیجئے گا چاچو! شادی کے لیے چودہ فروری کی ڈیٹ رکھ لیجئے گا۔ اچھا ہے نا، ویلنٹائن ڈے پر وہ محبت کرنے والے مل جائیں گے۔" تھوڑے سے دنوں میں چاچو سے اس کی کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔
 "ہائی! میں جارہا ہوں کوئی بور ہونے کے لیے نہیں آیا تھا میں یہاں۔" بالآخر چچا اس نے ماما کو آواز دے ڈالی۔

"بس بس! ناراض نہ ہوں۔ لیجئے میں آگئی۔" ماما ہاتھ میں ٹرے لیے باہری سے بولتی اندر داخل ہوئی تھی لیکن جیسے ہی پتا چلا کہ حاذق چاچو کا فون ہے زوبا کے ہاتھ سے سیٹ پھین لیا۔

زوبا کیونکہ کافی دیر بات کر چکی تھی اس لیے شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بات کرنا چھوڑ کر اسیس کے لیے کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔
 "زوبا! میرے ایک دوست کی شادی ہے، تم چلنا میرے ساتھ ورنہ اکیلے تو میں بور ہو جاؤں گا۔"

"لیکن میں کیا کروں گی وہاں جا کر۔ میری کون سی آپ کے دوستوں سے جان پوچھنا ہے۔ آپ مبشر کو لے جائے گا اپنے ساتھ وہ بھی انجوائے کرے گی اور آپ بھی بور نہیں ہوں گے۔" مبشر کو لے جانے کا مشورہ دیتے ہوئے اس کا انداز کچھ روکھا سا ہو گیا تھا۔

"بجوری ہے اس دن مبشر کی اپنی فیملی میں شادی ہے اس لیے وہ میرا ساتھ نہیں دے سکے گی۔" بڑی دیر سے تپتے اسیس کے دل پر اس کے انداز سے لھنڈی لھنڈی پھول رہی تھی۔

"تو میں بھی کوئی ایسی خال تو نہیں ہوں جو آپ کے ساتھ چل پڑوں۔ مجھے بھی بہت سارے کام ہوتے ہیں۔" اسے کچھ اور غصہ آ گیا تھا۔

"دیکھیں آئی! یہ زوبا کتنی بے مروت ہے۔ اتنی دیر سے خوشامد کر رہا ہوں کہ میرے ساتھ میرے دوست کی شادی میں چلے لیکن راضی ہی نہیں ہو رہی۔ فیملی کے ساتھ انوائٹ کیا ہے اس نے اب نیا بھائی کی تو بجوری ہے اس لیے میں ان سے کہہ نہیں سکتا اور

اکیلے جانا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ سب ہی لوگ اپنے ساتھ کسی نہ کسی کو لے کر آئیں گے ایک بے چارا میں اکیلا جاؤں گا تو کتنا برا محسوس ہو گا۔" وہ بڑے دکھ بھرے انداز میں اپنی مظلومیت کا رونا روتا رہا تھا۔
 "تو تم ایسا کرو ماما کو لے جاؤ اسے ساتھ۔ ویسے شادی ہے کس دن؟" آئی نے تجویز پیش کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تھنی فرسٹ دسمبر کو۔" اسیس نے مرے مرے انداز میں جواب دیا۔

"نہیں! اسیس بھائی! میں تو بالکل نہیں جاسکتی۔ فرسٹ جنوری سے تو میرے انگریز امز شروع ہونے والے ہیں۔" ماما نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔
 "تو پھر ٹھیک ہے، فیصلہ ہو گیا۔ زوبا جائے گی تمہارے ساتھ فنکشن میں۔ تم اسے ٹائم بتا دیتا یہ تیار رہے گی۔" حمیرا کے اہل انداز میں فیصلہ سناتے پر زوبا جربز ہونے کے باوجود احتجاج کی ہمت نہ کر سکی۔

"اپنا موڈ تو ٹھیک کر لو صاف لگ رہا ہے زبردستی لے جا رہا ہوں۔" رائیٹ بلیو کلر کے سلور کلائی والے سوٹ میں نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

"تو حقیقت بھی یہی ہے۔ کوئی میں اپنی خوشی سے تو آپ کے ساتھ جانی نہیں رہی۔" وہ وہو وہو جواب دے کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

اسیس نے اس کے انداز پر مسکراتے ہوئے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر لی۔

میرج ہال میں رنگ و نور کا ایک طوفان تھا جس نے ان کا استقبال کیا تھا۔ مگس گیدرنگ کی وجہ سے رونق کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔ اسیس اسے اپنے ساتھ ساتھ لیے کئی لوگوں سے ملوا رہا تھا۔ ہر ملنے والا اس سے اتنے پاک سے مل رہا تھا کہ زوبا کو محسوس ہوا وہ ان لوگوں کے لیے اجنبی نہیں ہے۔

"چلو چل کر دو لہاؤں کو دوش کرتے ہیں۔" اب

وہ اسے لیے ہوئے اسج کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسج پر جڑے ہوئے یکدم زوہا کے قدم ایک لمحے کو ڈگر گئے تھے۔ اسج نے فوراً ہی اس کا بازو تھام کر اسے سہارا دیا جبکہ اسج پر دولہن کے روپ میں بیٹھی مہشوا اس کی طرف خیر مقدمی انداز میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

”آپ تو کمرہ رہے تھے کسی دوست کی شادی ہے لیکن یہ تو مہشو ہے۔“ وہ بجائے دولہا دولہن سے ملنے کے وہیں کھڑے کھڑے اسج سے الجھنے لگی۔

”تو کوئی غلط تو نہیں کہا تھا۔ مہشو میری دوست ہی ہے تم اب تک کچھ اور سمجھتی رہی ہو تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔“ وہ بڑے مزے سے اس کے تاثرات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

”بہت ہو چکا اسج فاولیم اب تمہیں زوہا سے سواری کرنی چاہیے۔ مجھے تو یہ یقیناً اس روپ میں دیکھ کر معاف کر چکی ہوگی۔“ اپنے دلہن ہونے کی پروا کے بغیر مہشو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور بڑے خلوص سے زوہا کا ہاتھ تھامے اسج سے مخاطب تھی۔

”لیکن آپ اسج کو آسانی سے مت بخشے گا زوہا! مجھے معلوم ہے میری آفت کی پرکالہ بیگم کے ساتھ مل کر انہوں نے آپ کا کتنا خون جلا لیا ہے۔“

”اگرے بھی! میں حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود بار بار مجلس ہونے لگتا تھا تو آپ کا کیا حال ہوا ہوگا میں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔“

یہ مرسلین تھا جو اسے مشوروں سے نوازا رہا تھا۔

”پلیز اسج! مجھے ابھی اسی وقت گھر جانا ہے میں گاڑی میں ہوں آپ آجائیں۔“ وہ تیزی سے پلٹ کر اسج کی سیرجیاں اتر گئی تھیں۔ اسج بھی فوراً ہی اس کے پیچھے لگا تھا۔ اسے اپنے عقب میں مہشو اور مرسلین کا ڈھونڈنا تھا۔ سنائی دیا تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر یہ سب کیا تھا۔“ وہ اپنا سر دوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھی تھی۔

”یہ تمہارے رویوں کا رد عمل تھا۔ کتنی بے دردی سے تم میرے خلوص کی دھجیاں اڑاتی تھیں۔ بس مجھے بھی غصہ آ گیا۔“

”میں تو صرف خود کو کسی الزام کی زد میں آنے سے بچانے کے لیے ایسا کرتی تھی۔ لیچین سے ممی کی لو میرج کے طعنے سن سن کر میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر کسی سے محبت کروں گی مگر اس سے شادی ہرگز نہیں کروں گی لیکن آپ بار بار میری راہ میں آ جاتے تھے۔ مجبوراً میں آپ کی ساتھ برا سلوک کر جاتی تھی ورنہ یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ ایسے ہر واقعے کے بعد خود مجھے کتنی تکلیف ہوتی تھی اور پچھلے پورے ایک سال سے آپ نے مجھے کتنی تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے یہ تو صرف مجھے ہی معلوم ہے۔“

وہ نہ جانے کس کیفیت میں گھری، سر جھکائے روانی سے اعتراف کئے جا رہی تھی۔ اسج نے گاڑی ذرا آگے لے جا کر روک دی۔

”اگر تم اتنے خوبصورت جذبوں کو مجھ سے چھپا چھپا کر نہ رکھتیں تو مجھے اتنا طویل ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ تو بھلا ہو مہشو کا کہ اس نے تم سے اندر کی بات اگلاوے کے لیے نہ صرف اتنا زبردست آئیڈیا دیا بلکہ اپنے منگیتر کی اجازت سے میری بھرپور مدد بھی کی۔ حالانکہ وہ تمہارے چہیتے بھائی صاحب اس کو دیکھ کر ہی ناک بھوں چڑھانے لگتے تھے۔ بلکہ وہ تو مجھے بھی اتنی خوشخوار نظروں سے دیکھتے تھے کہ لگتا تھا نظروں ہی نظروں میں مار ڈالیں گے اور تو اور نیا بھابھی بھی تمہاری ہمدردی میں مجھے مسکین پر طعنے بازی کرنے پر اتر آئی تھیں۔“

”مجھے ڈر لگتا ہے اسج! میں لوگوں کی باتیں برداشت نہیں کر سکوں گی۔“ اس کی سوتی وہیں پرانگی ہوئی تھی۔

کے خبر تھی کہ اتنی دیر لڑکی بھی جہاں کے خوف سے میری یاد تک بھلا دے گی۔

”جس شاعر نے بھی یہ شعر کہا ہے اس کی محبوبہ

بھی تمہاری ہی طرح عقل سے کوری ہوگی۔ اللہ کی بندی اب کس بات سے ڈرتی ہو جو طعنے دینے والے لوگ تھے، ان کی زبانیں تو خود حالات نے بند کر دی ہیں۔ باقی سارا جہان قاصغ نہیں بیٹھا کہ صرف زوہا طارق اور اسج عبداللہ کو بیٹھ کر ڈسکس کرنا ہے۔ تم نے نہیں کیوں خود کو اتنا وی آئی بی سمجھتی ہو۔ اچھا ہوا کہ میں تمہیں حقیقت بتانے کے بجائے ابھی کچھ عرصہ اور رات بھر جاگنے اور آنسو بہانے دیتا۔“ وہ کچھ چرسا گیا۔

”تو نہ ختم کرتے اپنے ڈرامے کو۔ میں کوئی آنسو بہانے آپ کے پاس تو نہیں آئی تھی۔“ ماہا کو اندر کی باتیں باہر پہنچانے پر مزا چکھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے ترخ کر جواب دیا تھا۔

”مجبوری تھی اس لیے ختم کرنا ڈرامہ۔ ایک تو ڈرامے کا اہم رول مہشو بیگم نے شادی کا فیصلہ کر کے مزید اداکاری سے انکار کر دیا اور دوسرے وہ تمہارے نمایاں ذنب صاحب رقیب روسیہ کا رول لیے لے کر نے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ذرا جو غفلت ہو جاتی تھی تو وہ لے اڑتے تھیں۔ ویسے ہی آج کل تم بڑا ذنب نیب کرنے لگی تھیں۔“

”ہاں تو بالکل ٹھیک۔“

”نش۔“ وہ نہ جانے کیا کہنا چاہ رہی تھی اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی رسٹ وایج سے ابھرتا خوبصورت میوزک رات کے بارہ بجنے کا اعلان کر رہا تھا۔ باہر کی فضا بھی پانیوں اور ہوائی فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی تھی۔

”ابھی نیو ایئر۔“ اس نے دھیرے سے سرگوشی کرتے ہوئے زوہا کی نظروں کے حاقب میں آسمان کی طرف دیکھا۔ خوشی میں کی جانے والی آتش بازی کی وجہ سے یہاں وہاں رنگ ہی رنگ بکھرے تھے۔

”تم کب میری زندگی میں رنگ بکھیرے ہمارے گھر آؤ گی زوہا! اس کا لہجہ غماز آلود تھا۔

”کم از کم اس سال میں کیونکہ اس سال مجھے اپنا

آخر ذمہ ادا کرنا ہے اور آپ کو کسی فرم میں انٹرن شپ کرنی ہے۔“ اس نے مکمل بے مروتی سے بولتے اس کے رومانیک موڈ کا پیرا غرق کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی ہار ماننے والا نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔“

”آپ اتنا زیادہ بھی بول سکتے ہیں اسج! آج سے پہلے مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔“

”صرف زیادہ بول ہی نہیں سکتے ہم عملی طور پر بھی بہت کچھ کر سکتے تھے مگر۔“ ایک شرارتی نظر زوہا کے شرم سے سرخ چہرے پر ڈالتے اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

گاڑی میں ”تیرا ساتھ ہے کتنا پیارا“ بار بار رپوائنڈ کر کے بجایا جا رہا تھا سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند کر بیٹھی زوہا کو اب اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ بند پلکیوں کے پیچھے دوبارہ سے اپنے ان خوابوں کو سجا چکی تھی جن سے دستبرداری کے فیصلے نے اس کی نیندیں چھین لی تھیں۔

شگفتہ محمود کے مرتب کردہ

”خاتون کا دسترخوان“ اور ”کرن دسترخوان“

خوبصورت رنگین تصاویر کے ساتھ پہلے بار مینو

کمانور کے مکمل کتب

چائیز کھانے

قیمت 150 روپے

ڈاک نمبر 16/204

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، آزاد بازار، کراچی